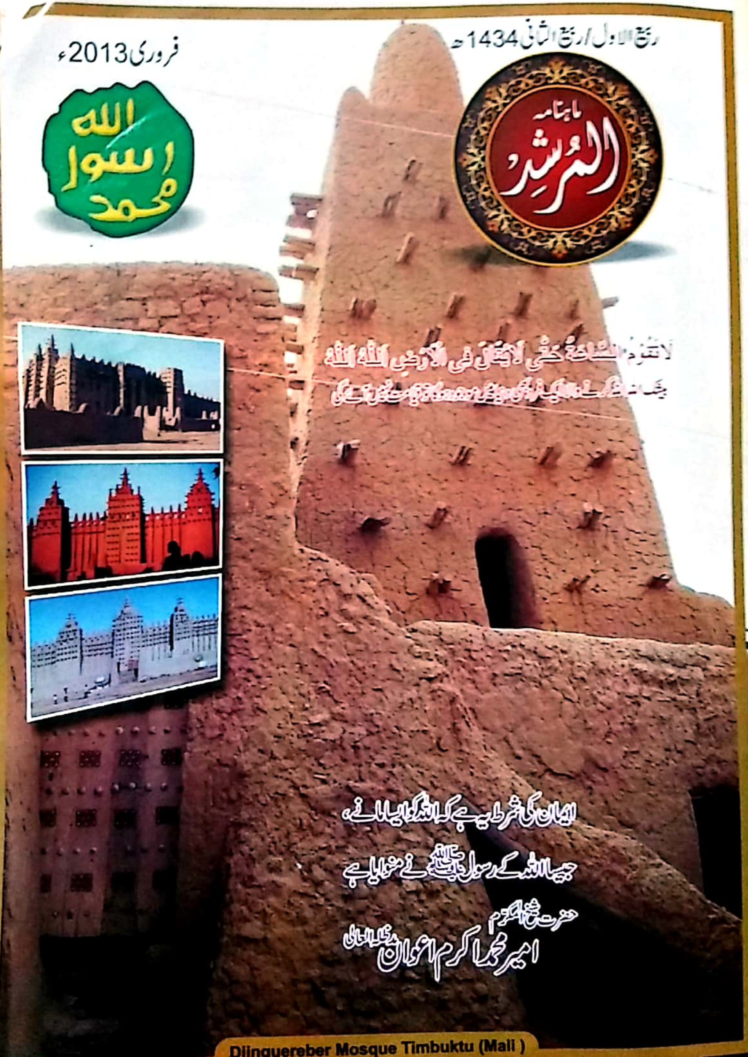
ربیع الاول/ربیع الثانی 1434ھ
فروری 2013ء
ماہنامہ
المرشد
اللہ
رسول
محمد
لا تقوم الساعة حتى لا يقال في الأرض الله الله
ایمان کی شرط یہ ہے کہ اللہ کو ایسا مانے،
جیسا اللہ کے رسول ﷺ نے منوایا ہے
حضرت شیخ المکرم
امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی
Djinguereber Mosque Timbuktu (Mali)

تصوف

تصوف کیا ہے؟

ذکر کے ثمرات

اللہ تعالیٰ کی یاد ایک ایسا ہے جو مشت غبار کو وہ لطافت عطا کرتی ہے کہ پروردگار خود اسے یاد کرتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ کسی کو یاد کرتے ہیں تو اپنی رحمت اور عطا سے یاد کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی صفت رحمت اس کی تمام صفات پر غالب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود رحمت کو اپنے اوپر لازم کیا ہے کَتَبَ عَلٰی نَفْسِہِ الرَّحْمَۃَ (انعام,12) اسی رحمت کو مجسم کر کے آپ ﷺ کو رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ بنا کر مبعوث فرمادیا۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ (الانبیاء 107) اللہ تعالیٰ کی رحمت کو پانا اور اس کے غضب سے خود کو بچانا بندے کی بنیادی ضرورت ہے۔ یہ بات تو طے ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کو پانے کے لئے ایک ہی دروازہ ہے ایک ہی سرچشمہ ہے اور وہ رحمۃ للعلمین ﷺ کا دامن ہے اس جو تھامنا ہی گویا ہماری حقیقی ضرورت ہے۔ کہاں آج ہم، ہمارا خلوص، ہمارا کردار اور کہاں آپ ﷺ کی توجہ!

ہمارے کریم رب نے اسے آسان فرمادیا اپنے حبیب ﷺ کو ارشاد فرمایا کہ آپ اپنی توجہ ان لوگوں پر نچھاور کیجئے جن کے قلوب میرے ذکر سے آباد ہیں وَاصْبِرْ نَفْسَکَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّھُمْ بِالْغَدٰوۃِ وَالْعَشِیِّ (الکھف 28) ترجمہ: اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ روک رکھیئے جو صبح شام اپنے پروردگار کو پکارتے ہیں جہاں اللہ تعالیٰ نے اس نعمت کو حاصل کرنا آسان بنادیا وہاں اللہ تعالیٰ نے ذکر نہ کرنے والوں کی بدنصیبی اور بدبختی کا فیصلہ بھی سنادیا فرمایا وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَہٗ عَنْ ذِکْرِنَا ایسے شخص کا کہنا مانیئے جس کے قلب کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کردیا) گویا آپ ﷺ کی توجہ کے مستحق صرف وہ لوگ ہیں جو علی الدوام اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔ اور جسے محبوب کبریا ﷺ کی توجہ اور تائید نصیب ہوگئی اسے اللہ تعالیٰ کی سب سے اعلیٰ نعمت نصیب ہوگئی سو یا قلبی ذکر ہی وہ عمل ہے جس سے آقائے نامدار ﷺ کی توجہ مبارک حاصل ہوتی ہے۔ یہی اس عمل کا سب سے اعلیٰ ثمر ہے۔

بانی حضرت العلام مولانا اللہ یار خان مجدد سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

سرپرست حضرت مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

ماہنامہ المرشد

CPL#15

فروری 2013ء ربیع اول / ربیع ثانی 1434ھ

جلد نمبر 34 | شمارہ نمبر 06

مدیر محمد اجمل

معاون مدیر: آصفہ اکرم (اعزازی)

سرکولیشن مینیجر: محمد اسلم شاہد

قیمت فی شمارہ: 40 روپے

فہرست

اسرار التنزیل سے اقتباس	شیخ المکرم امیر محمد اکرم اعوان	2
اداریہ	ابوالاحمدین	3
کلام شیخ	سیماب اویسی	4
اقوال شیخ	انتخاب	5
طریقۂ ذکر		6
بعثت رحمت عالم	شیخ المکرم امیر محمد اکرم اعوان	7
انمول موتی	حافظ جمیل شاہ	19
مسائل السلوک	شیخ المکرم امیر محمد اکرم اعوان	23
خواتین کا صفحہ	اُم فاران راولپنڈی	28
اکرم التفاسیر	شیخ المکرم امیر محمد اکرم اعوان	32
بچوں کا صفحہ	اے خان	39
سوال و جواب	شیخ المکرم امیر محمد اکرم اعوان	42
زیتون کے فوائد		47
Translated Sapeech	Ameer Muhammad Akram Awan	53
Hayat-e-Javidan(Ch: 16)	Abul Ahmadain Translation: Naseem Malik	56

بدل اشتراک

پاکستان 450 روپے سالانہ 235 روپے ششماہی

بھارت / سری لنکا / بنگلہ دیش	1200 روپے
مشرقِ وسطیٰ کے مالک	100 ریال
برطانیہ یورپ	35 اسٹرلنگ پاؤنڈ
امریکہ	60 امریکن ڈالر
فار ہیسٹ اور کینیڈا	60 امریکن ڈالر

انتخاب جدید پریس 042-36309053 ناشر عبدالقدیر اعوان

سرکولیشن ورابطہ آفس: ماہنامہ المرشد 17 اویسیہ سوسائٹی، کالج روڈ ٹاؤن شپ لاہور۔
Ph:042-35180381, email: monthlyalmurshed@gmail.com

مرکزی دفتر: دارالعرفان ڈاکخانہ نور پور ضلع چکوال ۔ ویب سائٹ سلسلہ عالیہ www.0ursheikh.org
Ph: 0543-562200, Fax: 0543-562198, email: darulirfan@gmail.com

"قرآن حکیم کو اس نیت سے پڑھو کہ میرا پروردگار مجھ سے باتیں کر رہا ہے۔"

اچھوتے انداز اور منفرد طرز تحریر کی حامل

تفسیر قرآن حکیم اسرار التنزیل سے اقتباس

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْ قَدَ نَارًا...... لا يَرْجِعُوْن (البقرہ 18-17)

انسان طبعاً ہدایت کا طالب ہے جب بعثت نبوی سے قبل سخت ظلمت و تاریکی چھارہی تھی تو سب لوگ گھبرا اُٹھے اور چاہتے تھے کہ کوئی اعلیٰ صورت حال پیدا ہو تو وحی الٰہی ایک روشنی بن کر ظاہر ہوئی اور پورے ماحول کو جگمگا دیا، گویا اس ظلمت سے روشنی ہوگئی مگر اس کی قدر نہ کرنے کی وجہ سے اللہ نے ان کی روشنی چھین لی اور یہ اس سے استفادہ کرنے کے قابل ہی نہ رہے ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِم۔ اب یہ ظلمت کدے میں بھٹکے رہ گئے کہ دیکھ ہی نہیں سکتے بلکہ آنکھ کے ساتھ کان اور زبان بھی گئے جب فطری استعداد ضائع ہوئی تو بینائی کے ساتھ تمام حواس کو لے گئی اب یہ نہ اچھی طرح بات کر سکتے ہیں نہ سن سکتے ہیں جب یہ حواس ہی گئے تو ان کا لوٹ کر آنا کیسے ممکن ہے گویا گمراہی سے واپسی کی راہ ہی مسدود ہوگئی اب وہ اس سے باز نہیں آتے یا پھر ان کی مثال ایسی ہے جیسے سخت بارش ہو اور اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ جس میں آندھی بھی ہو، بجلی کی کڑک بھی اور چمک بھی، اس بارش میں چلنے والے لوگ گرفتار بلا ہیں اور گرج کی وجہ سے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے ہیں کہ کہیں مر نہ جائیں۔ حال یہ ہے کہ ان کی یہ بودی تدبیر بھلا انھیں اللہ کی گرفت سے کیسے بچا سکتی ہے اللہ تو ہر حال میں کافروں کو اپنے احاطہ میں لئے ہوئے ہے یعنی یہ ہمہ وقت اس کے قبضہ قدرت میں ہیں اب چمک ایسی ہے کہ آنکھوں کی خیرہ کرتی ہے جب ذرا چمک ہوئی تو دو قدم چل پڑے پھر جب تاریکی چھائی تو کھڑے کے کھڑے رہ گئے جیسے اندھیری سخت بارش میں بادلوں کی گھن گرج میں پھنسے ہوئے مسافر ہوں۔

انسانیت کی حالت یہی تھی جس میں حضور اکرم ﷺ بھی روشنی کی طرح چمکے اور بھٹکی ہوئی انسانیت کی راہنمائی فرمائی۔ یہ منافقین جب کبھی حضور ﷺ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو ان کا دل بھی نیکی کی طرف مائل ہوتا ہے مگر جب اپنی فطری تاریکی کا اثر ہوتا ہے تو اس گمراہی کے گڑھے میں کھڑے کے کھڑے رہ جاتے ہیں۔

ماہِ ربیع الاوّل اور تقاضائے ایمان

اسلامی سال کا تیسرا مہینہ ربیع الاوّل آتا ہے تو دنیا بھر کے مسلمانوں میں عشقِ مصطفیٰ ﷺ کی ایک تازہ لہر دوڑ جاتی ہے۔ یہ ماہ تو عبارت ہی آقائے نامدار ﷺ کی محبت سے ہے، جس کے مقابلے میں اگر اپنی جان کی محبت بھی غالب آجائے تو ایمان کی نفی ہوجاتی ہے چہ جائیکہ ماں باپ، اولاد، سیم وزر، رزق اور دنیاوی آسائشوں کو ترجیح دینا تو دور کی بات ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین عشقِ نبی ﷺ میں پوری طرح رنگے ہوئے تھے اور انہوں نے اس محبت کا عملی ثبوت اس طرح سے دیا کہ اپنی زندگیوں کو مکمل طور پر آقائے نامدار ﷺ کے قول وفعل کا مطیع بنالیا۔ اسی کو محبت کہتے ہیں، یہی ایمان کا تقاضا ہے اور زندگی کا سب سے بڑا امتحان بھی ہے۔ ہم کس حد تک اس امتحان میں کامیاب ہیں، ہر شخص کا طرزِ عمل اس کا جواب ہے، اس کے لئے کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہیں۔

مکہ والوں کے درمیان آقائے نامدار ﷺ نے چالیس سال بسر کئے اور آپ ﷺ اس وقت بھی اللہ تعالیٰ کے نبی تھے اور ہمیشہ سے تھے لیکن کسی شخص کو کوئی امتحان درپیش نہ آیا۔ بعثتِ رحمتِ عالم ﷺ کے ساتھ آنحضور ﷺ غارِ حرا سے اترے تو دنیا بھر کے لئے قیامت تک امتحان در امتحان کا سلسلہ شروع ہوگیا اور ہر مسلمان کی انفرادی یا ایک مسلم معاشرے یا قوم کی اجتماعی زندگی مسلسل اس امتحان سے گزر رہی ہے۔ دنیا مسائل کی آماجگاہ ہے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ ان مسائل کے حل کے لئے ہماری امیدوں کا محور کیا ہے؟ پریشانیاں ہی پریشانیاں ہیں، عصرِ حاضر میں مہنگائی کے عفریت نے ہر شخص کی زندگی اجیرن کر رکھی ہے، نوجوان نسل لاحاصل ڈگریاں تھامے ملازمتوں کی تلاش میں سرگرداں ہے، بدامنی اور عدم تحفظ کے احساس نے ہر شخص کے ذہنی سکون کو تہ وبالا کر رکھا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ان مسائل کے حل کے لئے ہماری نگاہ کس سمت اٹھتی ہے اور یہی ہمارا امتحان ہے، اسی کسوٹی پر ہم اپنے ایمان کو پرکھ سکتے ہیں اور دیکھ سکتے ہیں کہ ہمارے دل کیا واقعی عشقِ نبی ﷺ سے سرشار ہیں یا ہم نے اس رشتۂ ایمان کو ثانوی درجہ دے رکھا ہے۔

یہ صرف آج کی بات نہیں، ہماری قومی زندگی کے 66 سال جو نقشہ پیش کر رہے ہیں، اس میں سوائے قراردادِ مقاصد کی تحریک، تحفظ ختم نبوت کے لئے پارلیمنٹ کے اندر اور باہر مسلمانانِ پاکستان کی بھرپور جدوجہد یا تحریکِ نظامِ مصطفیٰ ﷺ، ہم نے ہمیشہ نظامِ مصطفیٰ ﷺ سے باہر اپنے مسائل کا حل تلاش کرنے کی کوشش کی۔ بعثتِ رحمتِ عالم ﷺ کے ساتھ پوری دنیا کو ہمیشہ کے لئے نظامِ مصطفیٰ ﷺ کی صورت مسائل کا حل مل گیا۔ تاریخ شاہد ہے کہ جس معاشرے نے اس نظام کو اپنایا، اسے عافیت ملی اور آج بھی جہاں کہیں یہ نظام کسی نہ کسی صورت نافذ العمل ہے، وہاں خوشحالی اور امن کا دور دورہ ہے۔ افسوس کہ مسلمانانِ پاکستان تاریخ سے کوئی سبق حاصل کر پائے نہ اپنے گردوپیش دیکھتے ہیں۔

مسائل میں گھری اس قوم کے سامنے جب کوئی طالع آزما ایک دلفریب نعرہ پیش کرتا ہے تو یہ اس کے پیچھے لگ جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کو بھول کر اپنے دکھوں کا مداوا کسی اور سے طلب کرتی ہے۔ انجام کار خدا ہی ملتا ہے نہ وصالِ صنم، مسائل میں اور دھنستی چلی جاتی ہے۔ کبھی روٹی کپڑا اور مکان کا نعرہ، کبھی جمہوریت کا غلغلہ تو کبھی جمہوریت کی تزئین وآرائش کے معاہدے، مسحور کن اندازِ گفتگو اور تسخیر کن تقاریر، قوم اس افسوں میں گرفتار ہوکر نفاذِ شریعت کے مطالبے سے دستبردار ہوجاتی ہے جو کہ عین تقاضائے ایمان ہے۔

ربیع الاوّل کے شب و روز جہاں ذکرِ نبی ﷺ سے آباد ہیں، یہ ماہِ مبارک اس بات کا بھی تقاضا کرتا ہے کہ پھر سے ان جذبوں کو بیدار کریں جو ہمیں نفاذِ شریعت کے لئے متحرک کردیں اور یہی بعثتِ رحمتِ عالم ﷺ کا مقصد بھی ہے۔

ابوالاحمدین

کلامِ شیخ

سیماب اویسی

امیر محمد اکرم اعوان' سیماب اویسی کے قلمی نام سے شاعری کرتے ہیں۔ آپ کے کلام کے مندرجہ ذیل مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔

گردِ سفر	نشانِ منزل

کون سی ایسی بات ہوئی ہے — سوچ سمندر

متاعِ فقیر	آس جزیرہ	دیدہ تر

اس بارے میں ڈاکٹر اجمل نیازی لکھتے ہیں:

''اپنی آسودگی کے لئے وہ ذکر کرتے ہیں فکر کرتے ہیں اور شعر بھی کہتے ہیں یہ ان کے فرصت کے لمحوں کی فراست ہے۔ فراغتوں کو فروغ دینے کیلئے یہ مشغلہ انہوں نے اختیار کیا ہے شاید وہ ریلیکس ہونا چاہتے ہیں تو شعر کہتے ہیں لوگ اس کام کے لئے تفریح کے کیا کیا سامان ڈھونڈتے ہیں مگر ملک صاحب کی تفریح بھی ترفع سے خالی نہیں ان کی شاعری ان کے اعلیٰ وارفع معمولات کا ایک ہلکا پھلکا روپ ہے ان کی شاعری کے علاوہ بھی کچھ ہے اس شاعری سے کچھ لینے کے لئے حضرت اکرم صاحب کے پاس کچھ دیر بیٹھنا بہت ضروری ہے پھر پڑھنے والوں کو ایک اور ہی لطف آئے گا۔''

غزل

درد ہوتا ہے کسے روتا ہے کون
کس نے دُکھ جھیلے ہیں اور سوتا ہے کون

ہم تو سو جائیں گے تو خود ہی بتا
پاس آکر پھر ترے سوتا ہے کون

اُن سے ملنے پر بھلا کیا دُکھ تجھے
تُو ذرا یہ تو بتا ہوتا ہے کون

عشق کے سودے میں کیا سُود و زیاں
کس نے کیا پایا ہے اور کھوتا ہے کون

کون کرتا ہے وہاں گل پاشیاں
بے نشاں قبروں پہ پھر روتا ہے کون

لُوٹ کر دِل لے گیا سینے سے وہ
ایسے ویراں گھر میں اب ہوتا ہے کون

آنکھ نم ہوتی ہے کس کی یاد سے
بیج دُکھ کے دل میں یوں بوتا ہے کون

تم نے کیوں سیماب گھر لُٹوا دیا
اس طرح ویران اب ہوتا ہے کون

''کونسی ایسی بات ہوئی ہے'' سے اقتباس

اقوال شیخ

1......ذکراذکار کی ساری محنت کا حاصل یہ ہے کہ بندہ اللہ کریم کو خود جاننے لگ جائے، سنی سنائی خبر تک محدود نہ رہے۔

2......علم ظاہر ظاہری حلیہ بدلتا ہے لیکن کیفیات باطنی دل بدل دیتی ہیں، طلب بدل دیتی ہیں، آرزو بدل دیتی ہیں۔

3......ایمان ویقین میں کمی اور کمزوری شخصیت میں کمزوری پیدا کر دیتی ہے۔

4......ذکر قلبی سے اگر کسی کو بہت کم فائدہ بھی ہو تو یہ ضرور ہوتا ہے کہ اس کے عقائد درست ہو جاتے ہیں اس سے بڑھ کر فائدہ یہ ہے کہ توفیق عمل بھی نصیب ہو جاتی ہے۔

5......علم جاننے کا نام ہے صرف لکھنے پڑھنے کا نہیں۔ جس علم سے توفیق عمل ہو گی تب وہ علم ہو گا۔

6......جو دل زندگی میں یادالٰہی کو اپنے اندر سمو لیتے ہیں انہیں زندگی میں حضورِ حق نصیب رہتا ہے، موت ان سے یہ حضورِ حق نہیں چھین سکتی۔ انہیں اللہ کی یاد، اللہ کے ذکر سے جدا نہیں کر سکتی۔

7......دل کے ذاکر ہونے کی پہچان کشف نہیں، کردار ہے۔

8......اللہ نے شعور، نظر اور سمجھ اس لئے دی ہے کہ حق کو پہچانو۔

ذکر کا فائدہ یہ ہے کہ بندے کو اپنے کچھ نہ ہونے اور اللہ کے سب کچھ ہونے کا احساس ہو جائے۔
ذاتِ باری کے معاملے میں اپنے نہ ہونے کا ادراک ہو جائے کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں سب کچھ وہ ہے۔
شیخ المکرم امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

طریقہ ذکر

سلسلہ عالیہ نقشبندیہ اویسیہ

مکمل یکسوئی اور توجہ کے ساتھ ہر سانس کی آمد و رفت پر اس طرح گرفت ہو کہ ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھو'' کی چوٹ قلب پر لگے۔ دوسرے لطیفے کو کرتے وقت ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھو'' کی چوٹ دوسرے لطیفے پر لگے۔ اسی طرح تیسرے چوتھے اور پانچویں لطیفہ کو کرتے وقت ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھو'' کی چوٹ اس لطیفہ پر لگے جو کیا جا رہا ہو۔ دیئے گئے نقشے میں انسان کے سینے، ماتھے اور سر پر لطائف کے مقامات بتائے گئے ہیں جن کا خیال کر کے ذکر کیا جاتا ہے۔

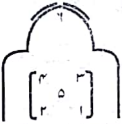

چھٹے لطیفہ کو کرنے کا طریقہ

ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھو'' کا شعلہ پیشانی سے نکلے۔

ساتویں لطیفہ کو کرنے کا طریقہ

ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھو'' کا شعلہ پورے بدن کے ایک ایک مسام اور خلیہ سے باہر نکلے۔

ساتویں لطیفہ کے بعد پھر پہلا لطیفہ کیا جاتا ہے جس کا طریقہ سب سے پہلے بیان ہوا ہے۔ ذکر کے دوران سانس تیزی اور قوت سے لیا جائے اور ساتھ ہی جسم کی حرکت جو سانس کے تیز عمل کے ساتھ خود بخود شروع ہو جاتی ہے۔ پورا خیال رہے کہ کوئی سانس اللہ کے ذکر سے خالی نہ ہو۔ توجہ قلب پر مرکوز اور ذکر کا تسلسل ٹوٹنے نہ پائے۔

رابطہ: ساتوں لطائف کے بعد رابطہ کیا جاتا ہے جس کا طریقہ یہ ہے۔ ساتویں لطیفہ کے بعد پہلا لطیفہ کیا جاتا ہے اور پھر رابطہ کے لئے سانس کی رفتار کو طبعی انداز پر لا کر ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' قلب کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھو'' کی چوٹ عرش عظیم سے جا ٹکرائے۔

بعثت رحمت عالم ﷺ

بیان ماہانہ اجتماع 5 فروری 2012ء

حضرت شیخ المکرم امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

الحمدللہ! نعتِ نبی ﷺ کی بہار آئی ہوئی ہے۔ بالخصوص وطن عزیز پاکستان میں اظہار مسرت کیا جارہا ہے۔ خوشی کے اظہار کا ہر ایک کا اپنا اپنا انداز ہے کوئی نعتیں پڑھ کے کر رہا ہے، کوئی نوافل پڑھ رہا ہے، کوئی تلاوت کر رہا ہے، کوئی جلوس نکال رہا ہے، کوئی ڈھول باجے بجا رہا ہے، کسی نے گلیوں میں بے پناہ لائٹیں لگا دی ہیں، کسی نے مساجد کو سجا دیا ہے، بہرحال اظہار مسرت ہے اور اس کا کوئی قاعدہ ضابطہ نہیں ہے اور ہر آدمی جس طرح چاہتا ہے اس طرح کر رہا ہے۔ اس کا صحیح طریقہ اور سلیقہ کیا ہے یہ جاننا چاہیے۔ دوسری بات یہ جاننا چاہیے کہ حضور ﷺ کی نعت کا جہاں تک تعلق ہے تو حضور کی حقیقی نعت تو اللہ کا قرآن ہے۔ قرآن کریم نے آپ ﷺ کی ذات، آپ ﷺ کی برکات سب کا تذکرہ فرمایا ہے اور جو کلمات اللہ رب العزت نے ارشاد فرمائے ہیں بندہ وہاں تک نہیں پہنچ سکتا۔ ام المومنین حبیبہ محبیب کبریا حضرت عائشہؓ سے کسی نے عرض کیا تھا مجھے حضور ﷺ کے اخلاق کریمہ کے بارے کچھ ارشاد فرمائیے۔ تو آپ کا جواب بڑا مختصر، مکمل اور جامع تھا۔ فرمایا ''کان خلقه القران'' آپ کے اخلاق کریمانہ سے قرآن بھرا پڑا ہے، میں کیا بیان کروں۔ تو قرآن اگر احکام بیان فرماتا ہے تو نبی ﷺ کی اطاعت کے حوالے سے، کسی کام سے روکتا ہے تو نبی ﷺ کے حوالے سے، اللہ کی معرفت اور اس کی ذات اور صفات سے آشنا کرتا ہے تو اپنے نبی ﷺ کی معرفت سے اور قرآن فیصلہ کر دیتا ہے کہ اللہ کو کس نے مانا۔ اس نے، جس نے اللہ کو ویسے مانا جیسا محمد رسول ﷺ منواتے ہیں۔ ورنہ تو اللہ کی ذات کا انکار آسان نہیں اور دنیا کی کسی قوم نے اللہ کی ذات کا انکار نہیں کیا۔ کافر بھی مانتا ہے، بت پرست بھی مانتا ہے، مشرک بھی مانتا ہے۔ یہ بڑی عجیب بات ہے کہ مشرک اگر اللہ کو نہیں مانتا تو پھر شرک کس کے ساتھ کرتا ہے۔ وہ اللہ کو مانتا ہے پھر اس کی ذات اور صفات میں کسی کو شریک بھی مانتا ہے۔ اللہ کو مانتا کافر بھی ہے، کیونکہ وہ اپنے انداز سے مانتا ہے اس لئے یہ کافر ہے۔ ایمان کی شرط یہ ہے کہ اللہ کو ویسا مانے جیسا اللہ کے رسول ﷺ نے منوایا ہے تو نعت تو ساری یہیں ختم ہو جاتی ہے۔ اس سے بڑی اور کوئی تعریف تو نبی کریم ﷺ کی ہو ہی نہیں سکتی پھر اللہ کریم نے جگہ جگہ قرآن کریم میں آپ ﷺ کی تعریف بیان فرمائی۔ قرآن کریم کی ایک آیت کریمہ، ایک جملہ سارے قصے کو پاک کر دیتا ہے۔ فرمایا **وما ارسلنک الا رحمت للعالمین** (سورۃ الانبیاء: 107)۔ قصہ ہی ختم ہو گیا۔ اللہ کے سوا جو کچھ ہے وہ عالمین میں داخل ہے۔ ایک ذات باری تعالیٰ کو چھوڑ کر باقی سب کچھ ''العالمین'' میں داخل ہے اور حضور ﷺ وہ ذات ہیں جو عالمین کے لئے اللہ کی رحمت ہیں۔ اس سے بڑی تعریف کوئی کہاں سے لائے گا۔ عالمین میں صرف مومن نہیں بستا، عالمین میں عرشی مخلوق بھی ہے، حاملین عرش فرشتے بھی ہیں، سدرۃ المنتہیٰ کے باسی بھی ہیں، آسمانوں میں رہنے والے فرشتے بھی ہیں، زمینوں میں رہنے والے سارے ملائکہ بھی ہیں، جن بھی ہیں، انسان بھی ہیں، حیوان بھی ہیں، شجر و حجر بھی ہیں، جانور اور سبزہ بھی ہیں، ہر چیز، ہر ذرہ عالمین میں داخل ہے۔ ہر ذرے کو جو بھی حصہ رحمت کا

نصیب ہو رہا ہے اس کا واسطہ محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ رحمت دو طرح سے ہے جیسے قرآن کریم کی سب سے پہلی آیت کریمہ بتا دیتی ہے۔ بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ رحمت کا تذکرہ قرآن کریم کی پہلی آیت مبارکہ دو طرح سے کرتی ہے۔ الرحمن ،الرحیم، بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اللہ کے نام کے ساتھ جو رحمٰن ہے، رحیم ہے۔ مادہ دونوں کا رحمت ہے۔ تو رحمٰن اور رحیم دو الگ اوصاف کیسے ہو گئے؟ عربی میں قواعد ہیں اور ہر لفظ اور ہر صفت اور ہر حرف اس قاعدے کے ضابطے سے تولا جاتا ہے۔ رحمٰن فعلان کے وزن پر ہے۔ ان اوزان میں جتنی چیزیں آتی ہیں اس میں جتنے کمال ہوتے ہیں وہ وقتی ہوتے ہیں، وہ ختم ہو جاتے ہیں۔ مثلاً اسی فعلان کے وزن پر آتا ہے عطشان۔ اسی کے وزن پر آتا ہے غضبان۔ عطشان کے معنی ہیں بہت پیاسا، غضبان کے معنی ہیں سخت غصے میں لیکن یہ دونوں اوصاف وقتی ہیں۔ سخت پیاس ہے، اسے پانی مل جائے گا تو پیاس ختم ہو جائے گی۔ سخت غصے میں ہے تو آخر اس کا غصہ فرو بھی ہو سکتا ہے۔ اسی وزن پہ ہے رحمٰن۔ یہ اس کی رحمت عامہ ہے جو جب تک یہ دنیا قائم ہے وہ تقسیم ہوتی رہے گی۔ اس سے کافر کو بھی وجود ملتا ہے، اسی سے بدکار کو بھی روزی ملتی ہے، اسی سے نعمتیں جانوروں پر بھی عام ہوتی ہیں۔ گھاس، سبزہ، ہر چیز، ہر قطرۂ باراں اس کی رحمت کا سبب ہے لیکن سب کو رحمانیت سے حصہ ملتا ہے۔ جب دنیا سے کوئی اٹھتا ہے تو رحمانیت والا حصہ ختم ہو جاتا ہے۔ دوسرا اندازِ رحمت ہے الرحیم ۔رحیم فعیل کے وزن پر ہے، یہ صفت دائمی ہوتی ہے جیسے حکیم۔ اب کوئی حکیم اور دانا ہے تو وہ وقتی صفت نہیں ہے دائمی ہے۔ اور رحیم سے جسے حصہ ملا اس دنیا یا موت یا دنیا کی تباہی یا قیامت ختم نہیں کر سکتی وہ ابدلآباد رہے گا۔ اب نبی ﷺ رحمتِ مجسم ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ حضور ﷺ کے وسیلے سے دونوں طرح کی کامل رحمت ملے گی۔ لہٰذا جب حضور ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی تو حضور ﷺ کے ارشاد کے مطابق جو اوصاف حمیدہ حضور ﷺ کو عطا ہوئے ان میں ایک وصف عالی یہ بھی تھا کہ جو اجتماعی عذاب پوری دنیا پہ آتے تھے وہ ختم ہو گئے۔ اجتماعی عذاب ہمیشہ بدترین کافروں پر اور بدترین بدکاروں پر آتے تھے۔ قوموں کی قومیں غرق ہو گئیں، زمین پھٹ گئی، اس میں سما گئے یا آسمان سے آگ برسی، کسی پر پتھر برسے، کسی کی شکل بدل گئی، بندر اور خنزیر بن گئے۔ یہ اجتماعی عذاب قوموں پر آتے تھے۔ کوئی پانی میں غرق کر دی گئی، کسی پر ہوائیں مسلط کر دی گئیں، کسی پر طوفان مسلط کر دیے گئے، کسی کو سخت چنگھاڑ نے تباہ کر دیا تو حضور ﷺ نے فرمایا جب میں نے دنیا میں قدم رکھا تو جو اجتماعی عذاب کافروں پر بھی آتے تھے وہ ختم ہو گئے۔ یعنی یہ حصہ رحمانیت کا دنیاوی زندگی میں کافروں کو بھی نصیب ہوا۔ دنیاوی برکات بھی بے شمار لوگوں کو نصیب ہوئیں۔ ساری دنیا کو تقسیم ہوئیں۔ اس میں کافر اور مسلم میں کوئی تخصیص نہیں ہوئی۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں میرے لئے اللہ نے ساری زمین کو مسجد کر دیا۔ حضرت آدم علیٰ نبینا علیہ السلام سے حضرت عیسیٰؑ تک جتنے نبیؑ اور رسول گذرے ہیں، ہر اُمت کے لئے عبادت کے لئے جگہ مختص کی جاتی رہی۔ کوئی کمرہ بنائیں یا گھر بنائیں یا پتھر رکھ کر نشاندہی کر دیں، وہیں عبادت ہو سکتی تھی اس سے باہر نہیں۔ جب حضور ﷺ نے قدم مبارک زمین پر رکھا تو حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ نے ساری زمین کو مسجد کر دیا۔ جہاں جی چاہے آپ نماز ادا کریں، نماز ادا ہو جائے گی، ساری زمین مسجد بن گئی۔ اب تو لوگوں نے مسجد بنانا روزگار بنا لیا ہے اور چندہ برائے مسجد کا بورڈ یا ہرا جھنڈا لے کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ بڑا سادہ سا مسئلہ ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے جو مساجد ہیں، انہیں آباد کرو۔ نمازی کوئی نہیں، مسجدیں بنائی جا رہی ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر آپ کو ضرورت ہے تو بھائی اپنے مال سے خرچ کرو۔ جیسی کچی بنا سکتے ہو کچی عمارت بنا لو، پکی بنا سکتے ہو پکی بنا لو اس کے لئے چندے کی کیا ضرورت ہے۔ نہیں بنا سکتے تو زمین پر چار

پتھر رکھ کر حد بنالو، نماز ادا کرتے رہو، یہ مسجد ہے۔ لیکن ہر کام میں ہم نے دنیا کو آگے رکھ لیا ہے، کمائی کا ذریعہ بنالیا ہے اور چاہتے ہیں کہ آسان طریقے سے پیسہ ملتا رہے۔

بہرحال اللہ کی رحمت کا ظہور ہر طرح سے ہوا لیکن بعثت تک جتنی رحمتوں کا ظہور ہوا وہ رحمانیت کا حصہ ہیں جس میں کافر اور مومن سب شریک تھے۔ تو یہ ربیع الاول اور حضور ﷺ کی ولادت باسعادت سب کو منانی چاہیے۔ کافر، مومن، کسی ایک کا تو اس میں حصہ نہیں۔ چونکہ رحمانیت کا ظہور جو حضور ﷺ کے دنیا میں تشریف لانے کے طفیل ہوا اس میں اللہ کی ساری مخلوق شریک ہے۔ فرشتے بھی، جن بھی، انسان بھی، حیوان بھی، شجر و حجر بھی، ہر چیز رحمانیت کی محتاج ہے۔ تو مومن کی تخصیص کیا ہے؟ اب سورج نکلتا ہے، ساری دنیا کو روشنی دے رہا ہے لیکن کچھ ایسے خاص لوگ ہیں جن کے پاس خاص آلات ہیں وہ اس روشنی سے بجلی بنا لیتے ہیں، وہ اس روشنی سے اور بے شمار چیزیں بنا لیتے ہیں، وہ اس روشنی سے اور بے شمار فائدے حاصل کر لیتے ہیں۔ اس کے لئے ان کے پاس کوئی ٹیکنالوجی، کوئی مشین ہوتی ہے جس کے ذریعے وہ بے شمار فوائد حاصل کر لیتے ہیں۔ تو یہ سارے فائدے تو ساری کائنات کو حاصل ہوئے۔ اب خاص فائدہ کس کو ہوا؟ وہ ٹیکنالوجی کیا ہے جو اس رحمت سے، اس نور سے جو سینہ اطہر ﷺ سے عیاں ہے جو حقیقی سورج اس کائنات کا نبی کریم ﷺ ہیں۔ اس سے فوائد حاصل کر سکے۔ تو آپ نے اس روشنی سے، گرمی سے کتنے مزید فوائد حاصل کیے یا اس بجلی نے گھر کتنا روشن کیا۔ تو جس نے شمسِ نبوت ﷺ سے برکات حاصل کیں اس کا سینہ روشن ہو گیا۔ سینہ روشن ہوا تو تعلق باللہ قائم ہو گیا اور اس کی رسائی عالم امر تک ہو گئی۔ تو یہ کہاں سے شروع ہوگا؟ اللہ کریم سے پوچھو تو اللہ کریم فرماتے ہیں وما ارسلنک الا رحمت للعالمین ۔ اب یہ بات ذہن میں رکھیئے کہ سارے جہانوں کے لئے حضور ﷺ رحمت ہیں لیکن لقد من اللہ علی المو منین۔ بھئی احسان تو سب پر ہو گیا جب حضور ﷺ دنیا میں تشریف لائے اور ساری کائنات کے لئے رحمتِ مجسم بن کر تشریف لائے تو احسان تو سب پر ہو گیا لیکن سب میں، سب سے بڑا احسان ان پر کیا ہے جنہیں نورِ ایمان نصیب ہوا ہے۔ جس طرح آپ ساری دنیا میں سورج کی روشنی سے استفادہ کرنے کے لئے یہ ٹیکنالوجی استعمال کرتے ہیں اسی طرح اس شمس نبوت ﷺ سے برکات اور نورِ ایمان حاصل کرنے کے لیئے بھی نورِ ایمان کی ٹیکنالوجی چاہیے۔ فرمایا، تو احسان تو اللہ کا ہر ذرے پہ ہے اور بے حساب ہے، گن نہیں سکتا وان تعد وا نعمت اللہ لا تحصو ھا۔ (النجم:۱۸) اگر اللہ کی نعمتیں کو گننا چاہو تو تم انہیں شمار نہیں کر سکتے لیکن پھر بھی اللہ نے جو خاص احسان فرمایا وہ ان پر فرمایا جنہیں نورِ ایمان نصیب ہوا۔

آگے اس احسان کی تشریح فرمائی۔ کیا احسان فرمایا اذ بعث فیھم رسولا من انفسھم یہاں ولادت باسعادت کا ذکر نہیں کیا۔ فرمایا ولادت باسعادت ربیع الاول میں ہے اور بعثت عالی چالیس سال اور کچھ مہینے بعد رمضان المبارک میں ہوئی۔ ان انزلنہ فی لیلۃ القدر (القدر:۱) شھر رمضان الذی انزل فیہ القران ( ) بعثت عالی ہوئی اقرا باسم ربک (العلق:۱) پہلی آیت کے نزول سے۔ اس کا مطلب ہے بعثت عالی ولادت باسعادت کے چالیس سال اور کچھ مہینے بعد، اکتالیسویں برس کے رمضان المبارک میں ہوئی۔ اللہ کریم فرماتے ہیں میں نے ساری کائنات پر انعام کر دیا محمد رسول اللہ ﷺ کے پیدا فرمانے پر۔ اجتماعی عذاب ختم ہو گئے، صورتیں مسخ ہونا ختم ہو گئیں، روزی عام ہو گئی، رزق عام ہو گیا، دولت عام ہو گئی۔ اس وقت تو اسلام کا نام نہیں تھا، نہ حضور مبعوث ہوئے تھے دائی حلیمہ کمزور سا بندہ تھیں ان کی سانڈنی سب سے کمزور تھی اور وہ اسے گھسیٹ گھسیٹ کر لائیں لیکن جب حضور ﷺ کو لے کر واپس ہوئیں تو وہی کمزور سانڈنی سب سے آگے جا

رہی تھی جس کے نیچے دودھ کا نشان نہیں ہوتا تھا لوگوں کے جانوروں سے زیادہ دودھ دے رہی تھی۔ ان کے مال میں برکت ہوگئی، دنیا بڑھ گئی، ریل پیل ہوگئی۔ تو جہاں جہاں حضور ﷺ کی برکات پہنچیں، ساری دنیا میں پہنچیں، سارا عالم ان سے مستفید ہوا یہ تو تھی ولادت با سعادت رحمت للعالمین ﷺ کی جس میں ساری مخلوق شریک ہے۔ لیکن جسے کلمہ حق نصیب ہوا اللہ فرماتا ہے اس کی بات الگ ہے، بھئی تمہاری عید الگ ہے۔ اس لئے کہ تم پر تو میں نے خصوصی کرم فرمایا لقد من اللہ ۔ من کہتے ہیں احسان کو۔ کوئی آدمی فوج میں جاتا ہے لیفٹیننٹ داخل ہوتا ہے پھر چلتے چلتے فور سٹار جرنیل بن جاتا ہے تو کوئی ضرورت رہتی ہے پچھلے عہدے گننے کی کہ تمہیں لیفٹیننٹ بنایا، کیپٹن بنایا، میجر بنایا، کرنل بنایا، وہ ایک ہی بات ہے۔ جب کہتے ہیں تم نے ہمیں جرنیل بنایا تو وہ سارے عہدے اسی میں آجاتے ہیں۔ اللہ کریم نے فرمایا جب ہم نے ایمان والوں پہ احسان کیا تو اس احسان کے برابر کی کوئی دوسری نعمت نہیں ہے جسے شمار کیا جائے۔ باقی سب احسان اس کے اندر آگئے۔ وہ احسان کیا تھا؟ جب ہم نے ان میں، انہیں میں سے اپنے رسول ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ انسان کی بجائے اگر کسی فرشتے کو مبعوث فرما دیتے تو لوگ دیکھ ہی نہ پاتے، ان کی بات ہی نہ سن پاتے، ان سے استفادہ نہ کر پاتے۔ پھر وہ شرف جو فرشتوں کو نصیب ہوتا۔ آج معرفتِ حق کا وہ شرف انسانوں کو نصیب ہے۔ اس لئے کہ اللہ کا کامل رسول، نبیوں کا امام، خاتم المرسلین ﷺ انسانوں میں سے ہے۔ محمد رسول اللہ ﷺ کا انسان ہونا پوری انسانیت کو شرف معرفت سے سرفراز کر گیا۔ اگر حضور ﷺ کسی اور مخلوق سے ہوتے تو پھر وہ مخلوق معرفت الٰہی کی سب سے زیادہ مستحق ہوتی اذ بعث فیھم رسولا من انفسھم ۔

کائنات میں ہمیشہ ایک بہت بڑا سوال رہا ہے کہ کون ہستی ہے جس نے اس کائنات کو بنایا ہے، اس کو چلا رہی ہے۔ اب جتنا جتنا کوئی گہرائی میں جاتا ہے: ہم آپ، سورج، چاند، ستارے، موسم، برسات، پھل پھول، نباتات دیکھتے ہیں، حیوانات دیکھتے ہیں، جمادات دیکھتے ہیں، کوئی اس سے آگے ان کے اوصاف کی تشریح میں چلا جاتا ہے۔ ہم پہاڑ دیکھتے ہیں، کوئی ایٹم دیکھ لیتا ہے، ایک ذرے میں تحقیق کر لیتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ کمال ہے یار! سورج جس طرح کائنات پہ طلوع و غروب ہو رہا ہے، وہ حقیر ذرہ جسے آگے توڑا نہیں جا سکتا اس میں بھی منفی مثبت، اندھیرا اور روشنی ہے۔ اس میں بھی سورج طلوع ہو رہا ہے، غروب ہو رہا ہے، یہ کس نے بنا دیا۔ یعنی ہر ذرے میں جسے آگے توڑا نہیں جا سکتا، منفی مثبت، روشنی اور تاریکی، دن اور رات اسی طرح سے چل رہے ہیں۔ کمال ہے کس نے بنا دیا وہ کیسا ہے، اس کی ذات کیسی ہے، اس کی صفات کیسی ہیں، اس کے کمالات کیا ہیں؟ پھر اس کائنات کو دیکھ کر لوگوں کے دلوں میں سوال بھی پیدا ہوا۔ پھر یہ سوال پیدا ہوا کہ اگر ہم مانیں ایک ہستی ہے جس نے یہ بنا دیا تو وہ ہستی کیا چاہتی ہے ہم کیسے رہیں، کیسے نہ رہیں؟ کیا کریں کیا نہ کریں؟ اس کی عبادت یا اس کی خوشنودی کا طریقہ کیا ہے؟ اور اس کی اطاعت کا سلیقہ کیا ہے؟ یہ وہ سوال تھے جو صرف جب بھی بتایا انبیاء نے بتایا۔ جو فلسفیوں سے حل نہ ہوئے اور نکتہ وروں سے کھل نہ سکے اور جب حضور ﷺ وسلم نے اس کا جواب دیا تو آپ نے فرمایا وہ اللہ ہے، وہ واحد ہے۔ وہ راز ایک کملی والے نے بتلا دیا چند اشاروں میں۔ وہ لاشریک ہے، اس کی یہ یہ صفات ہیں، وہ اس بات پہ خوش ہوتا ہے، اس کام پہ خوش ہوتا ہے، اس نیت پہ خوش ہوتا ہے، اس ارادے کو قبول فرماتا ہے اور ان ان باتوں سے خفا ہوتا ہے۔ ساری بات ساری حکایت بھی کھول کر رکھ دی۔ یتلو علیھم ایٰتہ کر دیا ہم سخن بندوں کو خدا سے تو نے۔ کہاں مشت غبار جس کے پاس جواب ہی نہیں تھا اور کہاں اسے یہ وضاحت مل گئی کہ کس طرح بات کی جائے تو اللہ راضی ہوتا ہے اور کس طرح کی جائے تو خفا

ہوتا ہے۔ کس طرح بیٹھا جائے، کس طرح اٹھا جائے، سجدہ کیسے کرنا ہے، عبادت کے وقت پڑھنا کیا ہے، رکوع میں کیا پڑھنا ہے، نماز میں رکوع سجود کیوں کرنا ہے، اس سے حاصل کیا ہوگا۔ رزق کمانا کیسے ہے، خرچ کیسے کرنا ہے۔ جانا کہاں پہ ہے رکنا کہاں پہ ہے، اندازِ تخاطب کیا ہونا چاہیے، اندازِ تکلم کیا ہے۔ پوری زندگی کا ایک نصاب دے دیا۔ جو نصاب بنایا گیا ہے اس وحدہ لاشریک کی طرف سے ہے، حضور نبی کریم ﷺ نے بنا کر نہیں دیا وما ینطق عن الھویٰ ○ان ھو الا وحی یو حیٰ (النجم 6-7) آپ جو فرماتے ہیں کبھی اپنی طرف سے نہیں فرماتے اللہ کی وحی آتی ہے وہی آپ فرماتے ہیں۔ فرمایا میں نے احسان کیا اور بہت بڑا احسان تو اہل ایمان پر ہے کہ ان میں سے اپنا نبی ﷺ مبعوث فرمایا اور رسول ﷺ نے انسان کو کائنات میں اشرف المخلوقات بنا دیا۔ یہ یاد رکھو کہ حضور ﷺ جس مخلوق سے ہوتے وہی مخلوق اشرف المخلوقات ہوتی۔ پھر فرمایا یہ تو ایک عطا تھی جو ہوگئی۔ پھر ہر بندے کو اللہ کا ذاتی کلام پہنچا دیا یتلوا علیھم ایتہ جس سے کوئی بات نہیں کرتا غریب، مزدور، مسکین، میلا کچیلا، کمزور، بھوکا پیاسا، کوئی اسے بلانا پسند نہیں کرتا، محمد رسول اللہ ﷺ نے جو اللہ کا کلام دیا ہے وہ اسے کھول کے بیٹھ جائے۔ وہ جس طرح بادشاہ سے باتیں کرتا ہے اسی طرح اللہ کا قرآن اس غریب سے بھی باتیں کرے گا۔ ہم نے بات کو سمجھا نہیں، سمجھنے میں ہم نے ٹھوکر کھائی ہے اور سب سے مشکل کام ہے نعت نبی ﷺ کہنا۔ اکثر نعتیں بھی میں سنتا ہوں نا تو بڑی شرم آتی ہے۔ نعت کا ماحصل یہ ہوتا ہے کہ آپ کرم کریں تو مجھے روزی مل جائے، آپ کرم کریں تو میری صحت ٹھیک ہو جائے، آپ کرم کریں تو میرے گھر سے بیماری نکل جائے۔ جو بتوں سے امیدیں ہندوؤں کو اور کافروں کو ہوتی ہیں نا اس طرح کا انداز ہمارا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہے کہ ہم ایسی نعت کہتے ہیں۔ ارے بھائی! کائنات کا ایک نظام ہے۔ سب سے اچھے، سب سے اعلیٰ مسلمان کون تھے؟ وہ جنہوں نے بعثت عالی پہ لبیک کہا، جنہوں نے تیرہ سال مکہ مکرمہ میں دنیا کی ہر مصیبت سہی لیکن دامانِ رسالت ﷺ کو نہیں چھوڑا۔ سب سے زیادہ برکات تو ان پہ آنی چاہیے تھیں جبکہ تیرہ سال میں تو ساری دنیا ان کے لئے مصیبت بن گئی، وبال جاں بن گئی اور ملا کیا انھیں۔ اللہ فرماتا ہے لاکھ عبادتیں کرو، لاکھ جہاد کرو، لاکھ محنت کرو، قبلِ ہجرت جو انھوں نے دکھ اٹھائے ہیں دوسرے ان کی شان کو نہیں مل سکتے۔ نبی کریم ﷺ سے ٹھیک ہے نعمت بھی ملتی ہے۔ آخرت بھی ملتی ہے، جنت بھی ملتی ہے نبی کریم ﷺ کے وصال سے اللہ ملتا ہے۔ آپ ٹکڑوں پہ آ گئے کہ ہمیں روٹی مل جائے، ہمیں پیسے مل جائیں۔ وہاں ٹکڑے نہیں بٹتے، ٹکڑے تو کتوں کو بھی مل رہے ہیں، کافر کو بھی مل رہے ہیں، دنیا کی حیثیت کیا ہے۔ حکومت کا مل جانا، اقتدار کا مل جانا، اختیار کا مل جانا، دولت کا مل جانا، شہرت کا مل جانا، حضور ﷺ فرماتے ہیں اگر دنیا کی اہمیت اللہ کے نزدیک ایک مچھر کے پر کے برابر ہوتی تو کافر کو ایک گھونٹ پانی بھی نہ دیتا۔ اس نے تو حکومت، دولت، ہر چیز کافر کو بھی دے دی ہے۔ اس کا مطلب ہے اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ حیثیت ہے کہ کسی کا دل خانہ خدا بن جائے، کسی کے دل میں اللہ بس جائے۔ یہ کیسے ہوگا؟ یہی تو عطا ہے محمد رسول اللہ ﷺ کی۔ فرمایا

کر دیا ہم سخن بندوں کو خدا سے تو نے یتلوا علیھم ایتہ۔

بھئی آیات تو حضور ﷺ نے پڑھ دیں لیکن وہ فریکونسی کہاں سے آئے گی۔ ایک آواز ہے اور آپ اسے ایک خاص فریکونسی پہ سن رہے ہیں۔ وہ آواز ہماری فریکونسی سے کم ہو جائے تو عجیب بات ہے جانور سن لیتے ہیں انسان نہیں سنتا یعنی ان کی فریکونسی اتنی low ہوتی ہے کہ جو آواز انسان کے کان میں نہیں آتی وہ جانور سن لیتے ہیں۔ کتا سن لیتا ہے، گائے، بیل بھینس سن لیتے ہیں، ہرن، جنگل کے جانور سن لیتے ہیں، ہم

نہیں سن سکتے ہماری فریکونسی سے low ہو جاتی ہے۔تو اس کا مطلب ہے اللہ کی باتیں سننے کے لئے کوئی فریکونسی بھی تو ہوگی۔اگر وہ فریکونسی نہ ہو تو بات سُنی اَن سُنی برابر ہے۔کافر کے پاس وہ فریکونسی نہیں ہے تو اسے اللہ کے کلام سے کوئی مطلب ہی نہیں ہے۔ ہوا نہ ہوا، برابر ہے۔ وہ (فریکونسی) کہاں سے آئے گی فرمایا ویزکیھم مزا آیا نا بات کا۔اللہ سے ہم کلام کر دیتا ہے اور پھر جو بھی دامان رسالت ﷺ سے وابستہ ہوتا ہے ویزکیھم اس کے دل کو پاک کر کے اس قابل بنا دیتا ہے کہ وہ اللہ کی باتیں سنتا ہے ویزکیھم ان کا تزکیہ کر دیتا ہے، پاک کر دیتا ہے۔ یہ لفظ ہے نا تصوف یہ اسی تزکیے کا ترجمہ ہے۔ اللہ، اللہ، اللہ ہمارا دل پاک ہو گیا نگاہ کرم سے۔تو کیا دل کا پاک ہو جانا کافی ہے؟ یار اس بات کو سمجھنے کی اٹکل بھی آنی چاہیے۔دل تو پاک ہو گیا اب کس طرح اللہ کی بات سنی جائے، سمجھی کیسے جائے۔فریکونسی تو سیٹ ہو گئی اب جو اس پہ آوازیں آ رہی ہیں ان کو Decode کیسے کیا جائے، ان کو کیسے سمجھا جائے، اس پر عمل کیسے کیا جائے۔اب ایک فریکونسی پہ message آ رہے ہیں تو وہ ایک coded لینگویج ہوگی، اس کے مطابق ہوگی جس سے message آ رہا ہے۔تو reception، وصولی تو ہو گئی لیکن اسے کھول کے اس کا مفہوم کیسے سمجھا جائے، اس کے مطابق عمل کیسے ہو، فرمایا، کام یہ بھی میرا حبیب ﷺ کرتا ہے و یعلمھم الکتٰب و الحکمۃ انھیں کتاب اور کتاب کو سمجھنے کی تعبیر و تفسیر، حکمت کی تعلیم بھی دے دیتا ہے۔سبحان اللہ! یہ ساری باتیں ولادت سے تعلق نہیں رکھتیں، بعثت عالی سے تعلق رکھتی ہیں۔ پتہ ہے ہم ولادت کے جشن کیوں مناتے ہیں، بعثت کی بات کیوں نہیں کرتے۔ بعثت پہ ہماری اپنی ذات سامنے آ جاتی ہے۔ان برکات میں سے ہمارے پاس کیا ہے، ہم وہ نہیں بتانا چاہتے۔ہم اس طرف نہیں آنا چاہتے کہ جو برکات عطا ہو رہی ہیں تو کیا میرا دل پاک ہوا، کیا مجھے کتاب و حکمت سے کوئی حصہ نصیب ہوا نہیں ہوا تو کیوں نہیں ہوا؟ اس سوال سے بچنے کے لئے ہم کہتے ہیں بعثت کو بھول جاؤ اور حضور ﷺ کی ولادت پہ بات کرو۔ بھئی حضور ﷺ کی تعریف جتنی بیان کر و اتنی کم ہے، بات ختم ہو گئی۔سارا سال کرتے رہو، صبح و شام کرتے رہو، دن رات کرتے رہو بلکہ ایک صحابیؓ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ایک خاص وقت میں نے مقرر کر لیا ہے اس وقت تو گھنٹوں منٹوں کی بات نہیں ہوتی تھی، عرض کی ایک وقت میں نے مقرر کر لیا ہے جس میں مَیں وظائف پڑھتا ہوں اور جتنے وظیفے میں پڑھتا ہوں مثلاً تسبیحات پڑھتا ہوں یا تلاوت کرتا ہوں یا حدیث پڑھتا ہوں یا اسماء الٰہی پڑھتا ہوں تو اس میں چوتھا حصہ میں نے صرف درود شریف کے لئے مختص کر دیا ہے۔تو وہ اجازت چاہتے تھے، تصدیق چاہتے تھے حضور ﷺ سے کہ اس سے برکت ہو جائے گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا اگر درود زیادہ کر لو تو اچھی بات ہے انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! میں ایک حصہ اور بڑھا لیتا ہوں، آدھا وقت باقی وظائف پڑھوں گا، آدھا وقت درود شریف پڑھوں گا۔حضور ﷺ نے فرمایا اگر اور بڑھا لو تو اور اچھا ہے۔انھوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! میں اس وقت کے تین حصے درود شریف پڑھوں گا، ایک حصہ دوسرے وظائف کے لئے۔فرمایا اور بڑھا لو تو اچھا ہے۔انھوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! تو جتنا وقت میرے پاس مختص ہے، سارا ہی نہ درود شریف پڑھتا رہوں؟ آپ نے فرمایا اگر ایسا کرو گے تو دنیا اور آخرت دونوں جہانوں کی بھلائی کے لئے کسی اور وظیفے کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔صرف دنیا نہیں ،دنیا اور آخرت دونوں جہانوں کے لئے کسی اور وظیفے کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔تو پھر نعت نبی ﷺ کا کوئی دن، کوئی مہینہ، کوئی سال تو مختص نہ ہوا۔ یہ حکایت تو وہ ہے جو ہر سانس کے ساتھ بیان ہوتی رہے گی۔ ہر لمحے کے ساتھ دل میں اترتی رہے، ہر دھڑکن میں رچی بسی ہوئی ہو۔منہ کھلے، سانس آئے تو درود سے معطر ہو، پھر مزا آ جائے۔تو فرمایا یہ

کام بھی میرا حبیب ﷺ کر دیتا ہے۔ ویعلمھم الکتب و الحکمۃ یااللہ! برتن تو سلامت ہو تو پھر اسے صاف کر دیا جاتا ہے۔ ایک برتن تھا، لوہے کا تھا، پیتل کا تھا، زنگ لگ گیا، رگڑ کر پالش کر دیا، صاف ہو گیا۔ اب جو ٹوٹ چکے ہیں، ریزہ ریزہ ہو چکے ہیں، ان برتنوں کے پرخچے اُڑ چکے ہیں ان کا کیا ہو گا۔ دل ٹوٹ گئے، تباہ ہو گئے، گمراہی نے انھیں میلا بھی کر دیا، ٹکڑے ٹکڑے بھی کر دیا، خاک میں دفن ہو گئے، ان کا کیا ہو گا۔ فرمایا وان کانو امن قبل لفی ضلٰل مبین (آل عمران:۱۶۵) بھئی ٹوٹے بگڑے گمراہی کی انتہاؤں میں پہنچے ہوئے جو بھی میرے نبی ﷺ کا دامن تھام لے گا ٹوٹے ہوئے دل جڑ جائیں گے، میلے صاف ہو جائیں گے، کلام الٰہی کے لئے شعور بیدار ہو جائے گا، کلام وصول بھی کر لیں گے، اسے سمجھ بھی لیں گے، اس کی تشریح بھی کر لیں گے، اس پر توفیق عمل بھی ارزاں ہو جائے گی۔ اب کہو جو نعت قرآن نے کہی ہے کسی کے ذہن میں آتی ہے، کوئی شاعر اسے شعر میں سمو سکتا ہے، کسی ادب پارے میں لکھی جا سکتی ہے، مخلوق اس طرح کی تعریف کر سکتی ہے؟ یہ اسی کو زیبا ہے، وہی کر سکتا ہے۔

یہ باتیں تو ہو گئیں۔ اللہ اللہ اللہ۔ اب بات آ گئی ہماری طرف۔ وہ کہتے ہیں نا گیدڑ ایک بولتا ہے سارے کاؤں کاؤں شروع کر دیتے ہیں۔ کہتے ہیں یہ پہلا گیدڑ جو نعرہ لگاتا ہے جو چلاتا ہے تو وہ کہتا ہے ''پدرم سلطان بود'' میرا باپ بڑا بادشاہ تھا۔ پھر دوسرے ساتھ بولتے ہیں ''تُرا چہ تُرا چہ'' بادشاہ تھا تو تمہارا باپ تھا۔ تُو کیا ہے؟ تُو تو ہمارے ساتھ گیدڑ ہے۔ یعنی اپنی ذات کا بھی پتہ ہونا۔ اب جتنی تعریفیں کوئی کرتا رہے جو تعریفیں حضور ﷺ کی اللہ نے کر دی ہیں مخلوق وہاں تک پہنچ ہی نہیں سکتی۔ امنا و صدقنا۔ پوچھنا تو اپنا حال ہے بھئی۔ یہ جو شمسِ نبوت ﷺ ہے اس کی روشنی میرے بدن پہ پڑ رہی ہے یا میری کھال میں اتر گئی ہے یا میرے دل میں بس گئی ہے کہاں تک میں اس سے مستفید ہو رہا ہوں؟ اللہ نے وہ بات بھی کر دی فرمایا افمن یعلم انما انزل الیک من ربک الحق کمن ھو اعمیٰ سب سے پہلی بات برکات نبوت سے استفادہ کرنے کے لئے، مستفید ہونے کے لئے، یہ یقین ہے کہ میرے نبی ﷺ پر جو نازل ہوا، اول و آخر وہ سارا حق ہے افمن یعلم جو شخص یہ جانتا ہے انما انزل الیک کہ آپ پر من ربک آپ کے پروردگار کی طرف سے جو کچھ نازل ہوا ہے الحق وہ سراپا حق ہے۔ حق کے ساتھ جب الف ل لگا تو اس کا مطلب ہے کہ سارا حق اس کے اندر ہے اس کے باہر حق کا نشان نہیں ہے۔ سارا حق اس میں سمٹ آیا۔ اب جو حضور ﷺ پر نازل ہوا ہے اس کے باہر حق کا کوئی نشان نہیں ہے، باطل ہی باطل ہے اس کے باہر۔ الحق. سارے کا سارا The Truth میں ایک دفعہ ٹیلی ویژن پر مغربی مفکرین کی، امریکن کی ایک بحث سن رہا تھا۔ تو اس میں ان کا ایک بہت بڑا اعتراض اسلام پر یہ تھا کہ Islam has the monoply on truth یعنی اسلام سچائی پر اجارہ داری رکھتا ہے۔ اجارہ داری یا monoply اچھے معنوں میں استعمال نہیں ہوتا یہ ہوتا ہے کہ زبردستی کسی شعبے میں بندہ چھا جائے اور دوسروں کو بالکل پر نہ مارنے دے اور انہیں نہ مانے یا ان کی حیثیت ختم کر دے۔ جیسے کہتے ہیں اس نے ٹرانسپورٹ میں monoply بنا لی ہے، اس نے ملیں بنانے میں monoply بنا لی ہے تو یہ لفظ کوئی اچھے معنوں میں نہیں آتا تو وہ کہہ رہے تھے Islam has monoply on truth۔ سچائی پر اسلام نے اجارہ داری بنا لی ہے۔ میں نے کہا بات تو یہ نہیں ہے۔ اب مصیبت یہ ہے کہ ہمارا ٹی وی یکطرفہ مشین ہے۔ ہم اُدھر کی سن رہے ہیں، ہماری اُدھر کوئی سنتا نہیں۔ باہر کے ممالک میں تو ایسے ٹیلی ویژن آ گئے ہیں کہ کوئی بات آپ کرنا چاہیں تو ایک بٹن push کریں اور آپ بات کریں تو آپ کی بات بھی ٹیلی ویژن سٹیشن پہنچ جاتی ہے۔ ہمارے ہاں ابھی یہ سہولت نہیں

ہے۔ ہمارا ٹی وی تو یکطرفہ ٹریفک ہے ورنہ میں ان کو بتاتا کہ Islam has not the monoply on truth but Islam is The only truth اسلام حق پر اجارہ داری نہیں رکھتا بلکہ سارے کا سارا حق ہے ہی اسلام۔ آپ بھی قبول کر لو آپ کو کس نے روکا ہے۔ اسلام کی حق پر اجارہ داری نہیں بلکہ سارا حق ہے ہی اسلام۔ اس بات کو جاننا بھی بڑے شرف کی بات ہے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ جس شخص کو یہ پتہ چل گیا، یہ علم ہو گیا کہ آپ کے پروردگار کی طرف سے آپ ﷺ پر جو کچھ نازل ہوا الحق the truth حقیقت، سراپا حقیقت، حق ہے۔ جس کو اس بات کا پتہ نہیں چلا کمن ھو اعمیٰ وہ اندھا ہے۔ سبحان اللہ! آنکھیں رکھتا ہے راستہ دیکھتا ہے، تحقیق کرتا ہے۔ سائنٹسٹ ہے۔ دوائیں بناتا ہے، حکیم ہے، طبیب ہے، ڈاکٹر ہے لوگوں کے اندر کی بات بوجھ لیتا ہے، ایکسرے کر لیتا ہے۔ فرمایا۔ خاک آنکھیں رکھتا ہے جس نے میرے نبی ﷺ کو ہی نہیں پہچانا اس کے پاس آنکھ کا کیا مطلب۔ وہ آنکھ، آنکھ ہی نہیں وہ اندھا پن ہے جس نے یہ بات نہیں دیکھی کہ جو نازل ہوا میرے محبوب ﷺ پر وہ سارا 'الحق' ہے جسے یہ حقیقت نظر نہیں آئی وہ اندھا ہے۔ اُلو کو کیوں اندھا کہتے ہیں، سورج کو نہیں دیکھ سکتا۔ آنکھیں ہوتی ہیں، تاریکی میں دیکھتا ہے، سورج کو نہیں دیکھ سکتا، اندھا تو نہیں ہوتا لیکن دیکھ نہیں پاتا۔ بات تو ایک ہی ہو گئی فرمایا وہ اندھا بھلا اس بندے کی طرح ہو سکتا ہے جس نے یہ جان لیا کہ آپ ﷺ پر آپ کے پروردگار کی طرف سے جو نازل ہوا وہ سارا حق ہے۔ سبحان اللہ! یہ لفظوں کی ترتیب دیکھو انما انزل الیک جو کچھ نازل ہوا آپ پر من ربک ساری کائنات کا رب وہی ہے لیکن یہاں فرماتا ہے آپ ﷺ کے رب کی طرف سے جو نزولِ کلامِ الٰہی ہوا وہ صرف آپ ﷺ پر ہوا ورنہ رب تو ساری کائنات کا ہے۔ تو نزول کلام کے اعتبار سے آپ ﷺ کا پروردگار، یعنی کتنا رشتہ خاص ہو گیا ایک ہستی کا ساری کائنات میں سے۔ تو اس حقیقت کو جس نے پالیا وہ بھلا ایسا تو نہیں جیسے اندھے ہوں یعنی جنہوں نے اس حقیقت کو نہیں پایا وہ اندھے ہیں۔ جس آنکھ نے عظمتِ رسالت ﷺ کو نہ دیکھا وہ اندھی ہے۔ جس دل نے عظمت رسالت ﷺ کو نہ جانا وہ اندھا ہے۔ جس دل نے کلام الٰہی کی حقانیت کو نہ پہچانا وہ اندھا ہے۔ اندھوں کا جہان ہے، جہاں نورِ ایمان ہے وہاں روشنی ہے۔

پھر فرمایا صرف اندھے نہیں ہیں، بیوقوف بھی ہیں۔ یار یہ بڑے بڑے دانش کے دعوے رکھنے والے حکمران اور جہانوں کو چلانے والے اور دنیا کے فرمانروا، فرمایا جس نے محمد رسول اللہ ﷺ کو نہیں پہچانا وہ بیوقوف ہے، اس کے پاس شعور نہیں۔ انما یتذکر اولو الالباب صاحب خرد ہی نصیحت حاصل کیا کرتے ہیں اس بات کو جاننے کے لئے عقل کی ضرورت ہے۔ جن میں عقل ہی نہیں ہے، وہ فطری زندگی جیتے رہیں۔ ایک چڑیا سے لے کر ایک گیدڑ تک، ایک جانور تک اپنے بچے پال لیتا ہے، روزی پیدا کر لیتا ہے، اپنا ایک ٹھکانا بنا لیتا ہے۔ تو یہ فطری عمل ہے، وہ یہ فطرت کے مطابق کرتا رہتا ہے۔ اس میں اس کی دانائی تو نہیں ہے۔ ایک چڑیا ہوتی ہے اسے بیہ کہتے ہیں وہ گھاس سے بُن کر گھونسلہ بناتی ہے۔ اسے آج بھی عجائب خانوں میں رکھا جاتا ہے، بڑا خوبصورت گھونسلہ بناتی ہے، بڑا عجیب و غریب بناتی ہے، اس میں کمرے بناتی ہے، دروازہ بناتی ہے، درختوں سے لٹک رہا ہوتا ہے لیکن کیا وہ یہ اپنی عقل سے کرتی ہے؟ نہیں، یہ فطرتاً اس کے مزاج میں ہے۔ شہد کی مکھی اتنا بڑا چھتہ بناتی ہے اتنا زیادہ شہد اس سے نکلتا ہے، چھوٹے چھوٹے خانے ہوتے ہیں، ہر خانے کے ضلع برابر ہوتے ہیں، ان کا طول و عرض برابر ہوتا ہے۔ کمال ہے ہزاروں لاکھوں خانے ہیں لیکن کوئی خانہ رائی برابر چھوٹا یا بڑا نہیں ہوتا ایک جیسے ہوتے ہیں۔ یہ کاریگری کہاں سے آتی ہے کیا وہ کسی کالج میں پڑھتی ہے؟ نہیں، فطری

ہے۔ تو فرمایا انسان جانوروں کی طرح فطری زندگی جیتے رہتے ہیں۔ دولت کمائی، عہدہ کمایا، اولاد ہوگئی، پالی، بڑھائی، مرگیا۔ اکبرالہٰ آبادی نے کہا تھا۔

کیا کہیں احباب کیا کارِ نمایاں کر گئے
بی اے کیا، نوکر ہوئے، پنشن ملی اور مرگئے

یہ فطری زندگی ہے نا، آدمی فطرت کے مطابق زندگی گذارتا ہے۔ اللہ کریم فرماتا ہے یہ بیوقوف ہیں، خرد، عقل، دانش، نظر، نگاہ، روشنی یہ ہے کہ کائنات میں آکر انھوں نے میرے حبیب ﷺ کو پہچانا۔ اس بات کو جان لیا کہ آپ پر جو نازل ہوا آپ کے پروردگار کی طرف سے ہوا اور وہ حق ہے۔ یعنی معرفتِ پیغمبر میں معرفتِ کلام باری بھی آگئی اور معرفتِ ذات وصفات باری بھی آگئی۔ یہ بات اب ہماری طرف آگئی ہے۔ یہ صاحب خرد کون ہیں۔ اب جناب بات آگئی نا کھرے پر۔ کوئی چیز گم جائے تو اس کا کھرا تلاش کرتے ہیں۔ کھوجی کھرے پر آتے ہیں۔ یہ کون ہیں یا اللہ! "اُولو الا لباب" جنہیں صاحبِ دانش کہا گیا فرمایا الذین یو فون بعھد اللہ و لا ینقضون المیثاق یہ وہ لوگ ہیں کہ جب پہچان لیتے ہیں تو ایک عہد کرتے ہیں اللہ سے لا الـــہ الا اللـہ محمد رسول اللہ۔ یہ عہد ہے اللہ کے ساتھ کہ اے اللہ! میں مانتا ہوں تو واحد لاشریک ہے، صرف تُو عبادت کا مستحق ہے، تیرے بغیر کسی کی عبادت نہیں کروں گا اور میں مانتا ہوں حضرت محمد ﷺ تیرے رسول ہیں۔ جس نے کلمہ پڑھا فرمایا الذین یو فون اسے وفا کرتے ہیں صرف وعدہ نہیں کرتے۔ وعدے کو وفا کرتے ہیں اور اپنے عہد کو توڑتے نہیں۔ یا اللہ! اس وعدے کی وفا کیا ہے اور اس کا توڑنا کیا ہے؟ فرمایا والذین یصلون ما امر اللہ بہ ان یو صل ان چیزوں کو جوڑتے ہیں جن کو جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے۔ کردار میں، سوچوں میں، افکار میں، عمل میں، زبان سے، ہر طرح سے وہ کام کرتے ہیں جن کے کرنے کا حکم اللہ نے دیا اور جن کے کرنے کا طریقہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ زندگی بک گئی میاں، اپنی نہیں رہی، اپنی مرضی نہیں چلے گی اس لئے اس کلمہ پڑھنے کو اللہ نے کہا ہے ان اللہ شتریٰ علی المومنین اموالھم وا نفسھم (التوبہ:111) ان کی جانیں، ان کے مال اللہ نے خرید لئے۔ دیئے مفت تھے، جنت کے بدلے سودا کرلیا کہ تم یہ ہر چیز مجھے بیچ دو، میں تمہیں جنت دوں گا۔ بھئی بیچ کیا رہے ہو، کیا اللہ گٹھڑیاں باندھ کے لے جائے گا۔ فرمایا، رکھو تم ہی، تصرف ان پہ میرے حکم کے مطابق کرو، خرچ اور استعمال میری رائے سے ہوں گے، تم تو بیچ چکے، مجھے دے دیا۔ تو اُدھر نعت نبی ﷺ کی تو حد کردی، ادھر بھی حدود متعین کر دیں۔ ان کے خالی نعروں سے بات نہیں بنے گی بھائی، جھنڈوں سے بات نہیں بنے گی، گلیوں میں بلب لگانے سے بات نہیں بنے گی۔ بجلی کا پہلے ہی بحران ہے تو اسے ضائع کرنے سے بات نہیں بنے گی۔ اسراف کرنے سے بات نہیں بنے گی۔ پیسے اچھالنے سے اور نعت خوانوں کو دو دو لاکھ دینے سے بات نہیں بنے گی۔ بات بنے گی الـذین یـوفـون بعھد اللہ و لا ینقضون المیثاق جو اللہ کے ساتھ کئے گئے وعدے کو پورا کرتے ہیں اور اپنا وعدہ توڑتے نہیں ہیں اور جس رشتوں کو جوڑنے کا انہیں حکم دیا ہے انھیں جوڑتے ہیں ویخشون ربھم. خشیت کیا ہے؟ ہم تو آرام سے ترجمہ لکھ دیتے ہیں، میں نے بھی لکھ دیا، اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں۔ ترجمے میں تو اتنی گنجائش نہیں کہ اس ڈر کی قسمیں لکھی جائیں۔ ڈر بڑی قسموں کا ہوتا ہے۔ ہم دشمن سے ڈرتے ہیں، اس کی برائی سے ڈرتے ہیں، حکمرانوں کی شان وشوکت اور دبدبے سے ڈرتے ہیں، پولیس سے ڈرتے ہیں، بعض چوروں سے بچانے والوں سے بھی ڈرتے ہیں، چوروں سے بھی ڈرتے ہیں۔ کمال ہے ڈاکوؤں سے بھی ڈرتے ہیں اور جو ڈاکوؤں سے بچانے کا محکمہ ہے اس سے بھی ڈرتے ہیں۔ سانپ سے بھی ڈرتے ہیں، موذی جانور، درندے سے بھی

ڈرتے ہیں۔کیا نہیں ڈرتے؟ ہم تو ڈراؤنے خواب سے بھی ڈرتے ہیں اس میں کچھ بھی نہیں ہوتا لیکن ڈراؤنا خواب بھی ہمیں ڈرا دیتا ہے۔ یہ ڈر خشیت نہیں بلکہ ایک اور طرح کا ڈر ہوتا ہے۔ایک تعلق کسی سے بھی بن جائے، ایک نسبت کسی سے بھی بن جائے، کسی سے محبت ہو جائے، الفت ہو جائے، کسی کا کوئی محبوب ہو فان المحب لمن یحب مطیع ،محبت کرنے والا جس سے محبت کرتا ہے، اس کا اسیر ہو جاتا ہے، غلام ہو جاتا ہے، مطیع ہو جاتا ہے۔فان المحب لمن یحب مطیع، محبت کرنے والا محبوب کا غلام بن جاتا ہے، مطیع ہو جاتا ہے، فرمانبردار ہو جاتا ہے۔ جب محبت کی جاتی ہے تو زبان کھولتے ہوئے بھی یہ احساس ہوتا ہے کہ کہیں ایسا لفظ نہ نکل جائے جو میرے محبوب کو ناگوار گذرے اور وہ ناراض ہو، اس رشتے میں دراڑ نہ آئے۔ کام کرتے ہوئے بھی احساس ہوتا ہے کہ کہیں اس میں کوئی ایسا انداز نہ آجائے کہ میرا محبوب ناراض ہو۔ یہ نسبت جب اللہ سے پیدا ہو جائے کہ بات کرتے ہوئے بندہ سوچے کہ کوئی ایسا لفظ نہ نکلے کہ اللہ ناراض ہو جائے، کام کرتے ہوئے بھی سوچے کہ کہیں ایسا نہ کر بیٹھوں تو اس نسبت کو، جب یہ اللہ سے ہو جائے تو اسے خشیت کہتے ہیں۔سادہ سا ترجمہ تو ڈر ہی ہے میں نے بھی ڈر ہی لکھا۔اور اُردو کے پاس کوئی لفظ ہی نہیں، کیا لکھیں، سارے ترجموں میں ڈر لکھا ہوا ہے لیکن یہ ڈر ہے اس محبت کے نازک رشتے پر آنچ آنے کا، اسے خشیت کہتے ہیں۔ یہ کہاں سے ملتی ہے، محمد رسول اللہ ﷺ کی خاکِ پا سے ملتی ہے، بارگاہِ رسالت سے ملتی ہے۔ویخشون ربھم اپنے پروردگار کی خفگی یا ناپسندیدگی تک سے ڈرتے ہیں ویخافون سوء الحساب اور برے حساب سے خوفزدہ رہتے ہیں۔ یہاں اب خشیت تو نہیں آئی نا کہ اگر اللہ کی مرضی کے خلاف کام کروں گا تو حساب بڑا مشکل ہو جائے گا، اوکھا حساب ہوگا، بُرا حساب ہوگا، سوٗ الحساب ہوگا۔والذین صبر و ابتغاء وجہ ربھم اور جو لوگ اپنے پروردگار کی رضا مندی حاصل کرنے کے لئے گناہ سے صبر کر لیتے ہیں، رک جاتے ہیں، اللہ کی خفگی کے احساس سے ڈرتے ہیں، آخرت کے بُرے حساب یعنی برائیوں کے حساب سے ڈرتے ہیں اور پھر برائی کرنے سے رک جاتے ہیں۔ صبر ہوتا ہے دوڑتے ہوئے گھوڑے کی باگ کھینچ کر روک لینا۔ ہمارے ہاں یہ بات عام ہوگئی ہے کہ کسی کا قریبی عزیز مر جائے اور وہ روئے دھوئے نہیں تو کہتے ہیں یہ صبر ہے۔مصیبت پہ آہ وفغان نہ کرے، صبر ہے۔نہیں، صبر کا یہ مفہوم نہیں ہے۔صبر کا معنیٰ ہے روک لینا اور گناہ سے خود کو روک لینا سب سے اعلیٰ صبر ہے۔ والذین صبر و ابتغاء وجہ ربھم اللہ کی نافرمانی سے خود کو روک لیتے ہیں، اللہ کی رضا کے لئے، شہرت کے لئے نہیں، پارسائی کا ڈھنڈورا پیٹنے کے لئے نہیں، لوگوں سے ہاتھ چموانے اور پاؤں دبوانے کے لئے نہیں، اللہ کی رضا کے لئے گناہ سے رک جاتے ہیں۔

واقامو الصلوٰۃ اور اللہ کی نمازوں کو، عبادت کو قائم کرتے ہیں۔ نماز ادا کرنا تو ہوا مگر یہ قائم کرنا کیا ہوا۔ کچھ نمازی ایسے ہوتے ہیں جو صرف اپنی نماز ادا کر سکتے ہیں، گھر میں ان کی بیوی اور ان کے بچے بھی نماز ادا کرتے ہیں۔ کچھ اللہ کے بندے ایسے ہوتے ہیں جو نماز کو قائم رکھتے ہیں یعنی وہ نماز پڑھتے ہیں تو ان کے ساتھ ایک مخلوق نماز پڑھنے لگ جاتی ہے۔ یہ ہے نماز کو قائم کرنا۔ فرمایا اللہ کے بندے وہ ہوتے ہیں جو اپنی نمازوں کو قائم کرتے ہیں یعنی ایک مخلوق ان کے ساتھ نماز پڑھنے لگ جاتی ہے، خلقِ خدا اس پر لگ جاتی ہے۔ وہ نماز کو قائم کرتے ہیں وانفقو امما رزقنھم سرا وعلانیۃ اگلی بات یہ ہوتی ہے کہ جو نعمت میں نے انہیں دی ہے پوشیدہ بھی، ظاہر بھی میری رضا کے لیے خرچ کرتے رہتے ہیں۔ اقتدار دیا تو انصاف کرتے ہیں۔ دولت دی ہے تو غریبوں کو بھی اس میں حصے دار بناتے ہیں۔ علم دیا ہے تو لوگوں

پر بانٹتے ہیں۔ معرفت دی ہے تو لوگوں کے دلوں کو سیراب کرتے ہیں۔ جو نعمتیں میں نے دی ہیں وہ میری راہ میں بانٹتے رہتے ہیں، خفیہ بھی، پوشیدہ بھی، اعلانیہ بھی۔ ویدرؤن بالحسنة السیئة اور برائی کو نیکی سے ختم کرتے ہیں۔ یعنی جہاں برائی ہو رہی ہے وہاں آپ نیکی پھیلائیں کہ برائی ختم ہو جائے۔ برائی، برائی سے ختم نہیں ہوتی۔ ہمارے ہاں تو اب یہ ہو گیا ہے کہ ڈاکو بھی قتل کرتے ہیں تو پولیس بھی گولی سے اڑا دیتی ہے۔ چلو گولی سے ہی مرنا ہے نا۔ ڈاکوؤں سے بچ گئے تو پولیس بھی گولی سے اڑا دیتی ہے، پولیس سے مر گئے۔ ایجنسیاں بھی مار دیتی ہیں، پکڑ کر لے جاتی ہیں، لاشیں ملتی ہیں۔ فرمایا برائی سے برائی ختم نہیں ہوتی۔ ابصار انصاری نے ایک شعر کہا تھا

نئی روایات ہیں نئے زمانے کے لئے
آگ ہی لائی گئی آگ بجھانے کے لئے

آگ پر آگ پھینکیں گے تو آگ بڑھے گی، بجھے گی تو نہیں۔ آپ برائی کا مقابلہ برائی سے کریں گے تو برائی بڑھے گی، ظلم کا مقابلہ ظلم سے کریں گے تو ظلم بڑھے گا۔ فرمایا، میرے بندے برائی کے مقابلے میں نیکی پھیلاتے ہیں، باطل کے مقابلے میں حق کی بات کرتے ہیں، ظلم کے مقابلے میں انصاف پھیلاتے ہیں، برائی کو نیکی سے دور کرتے ہیں اولئک لھم عقبی الدار آخرت کا گھر تو ان لوگوں کا ہے جنت عدن یدخلونھا ہمیشہ رہنے والے باغات ہیں جن میں مزے سے داخل ہوں گے۔ کیا اکیلے داخل ہوں گے نہیں۔ فرمایا ومن صلح من اباھم ان کے آباؤاجداد میں سے بھی جس نے یہ راستہ اپنا لیا، نیکی کی، وہ بھی ان کے ساتھ ہو گا وازواجھم وذریتھم اور ان کی بیویاں اور ان کی اولاد۔ شرط یہ ہے کہ ان کا ایمان اور ان کا عقیدہ اور ان کا عمل وہی ہو جو ان کا ہے تو وہ بھی ان کے ساتھ انہیں باغوں میں موج کریں گے اور وہاں تو وہ بڑے معتبر ہوں گے میرے بھائی۔ فرشتے داخل ہوں گے کوئی اس دروازے سے کوئی اس دروازے سے و الملئکة یدخلون علیھم من کل باب فرشتے ان کے پاس حاضر ہوا کریں گے اور انہیں کہیں گے سلم علیکم بما صبرتم اللہ کی سلامتی ہو تم پر، مبارک ہو یار! تم نے حق ادا کر دیا حضور ﷺ کی غلامی کا، تم نے حق ادا کر دیا اللہ کی اطاعت کا، خوش نصیب تھے تم نے نور نبوت سے استفادہ کیا۔ اللہ کی تم پر سلامتی ہو بما صبرتم کہ تم جم گئے محمد رسول اللہ ﷺ کی غلامی پر۔ یہ سب سے بڑا کام کیا تم نے۔ دنیا میں تم نے کمال کر دیا کہ سب چیز کو ٹھکرا کر ایک ور کی، اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی غلامی پر جم گئے فنعم عقبی الدار اور آخرت کا گھر کتنا مزیدار ہے اب موج کرو۔ اس سے آگے اگلی آیت کریمہ میں وہ منفی باتیں ہیں جو حضور ﷺ سے دور کر دیتی ہیں۔

بہت وقت ہو گیا میں اتنی دور نہیں جاتا، اتنی مزیدار باتوں کے بعد تلخ باتیں نہیں کہنا چاہتا۔ یہ سورۃ رعد کی آیات مبارکہ ہیں اور آٹھویں رکوع میں ہیں، ترجمہ لکھا ہوا ہے، اللہ توفیق دے تو آگے خود پڑھیے گا۔ تفسیر دیکھنی ہو تو تفسیر میں دیکھ لیجئے گا۔ تو میاں ہمارے ہاتھ تو سادہ سی بات پڑی۔ ہمارا تعلق بعثت عالی سے ہے ہم مومن ہیں لقد من اللہ علی المومنین اذبعث فیھم رسولا من انفسھم نعت نبی ﷺ، اللہ سے بڑھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا۔ سارے کمالات اللہ کے بعد جو مخلوق میں ممکن ہیں وہ نبی کریم ﷺ میں ہیں۔ ساری برکات، ساری رحمت، حضور ﷺ کے طفیل ہے اور ٹوٹے بکھرے ہوئے دلوں کو جوڑنا، ان کو جلا بخشنا، ان کو منور کرنا، حضور ﷺ کا منصب جلیلہ ہے لیکن کوئی اپنے ٹوٹے ہوئے ٹکڑے لے کر بارگاہ عالی ﷺ میں جائے تو۔ پھر فرمایا جب جائے تو اس بارگاہ سے تو جھوٹ نہ بولے تو پھر جو کہا ہے سچ کر دکھائے

پھر اس پہ قائم رہے۔ فرمایا یہ دنیا تو گذر جائے گی۔ بادشاہ بھی چلا جائے گا، فقیر بھی چلا جائے گا۔ ایک بادشاہ تھا صبح اس کی آنکھ کھلی تو دیکھا ایک فقیر پتھروں پر روڑی کے ڈھیر پر سو رہا ہے۔ اس نے کہا جب میں دربار میں جاؤں تو اسے پیش کرو۔ وہ جب دربار میں گیا تو باشادہ کے آدمی فقیر کو پکڑ لائے۔ بادشاہ نے پوچھا بابا تم پتھروں پہ سو رہے تھے؟ اس نے کہا جی سو رہا تھا۔ سناؤ، تمہاری رات کیسے گذری، پتھروں پر کیسے نیند آئی۔ اس نے کہا بادشاہ سلامت! کچھ رات تو جیسی آپ کی گذری، میری بھی گذر گئی اور کچھ آپ سے بہت بہتر گذر گئی۔ وہ بڑا حیران ہوا کہ یہ پتھروں پہ پڑا تھا، میں شاہی محل میں تھا۔ اس نے کہا بات سمجھاؤ مجھے سمجھ نہیں آئی۔ اس نے کہا جناب جب آپ سو گئے شاہی پلنگ پر تو میں پتھروں پر سو گیا تو سونے والوں کو کیا پتہ ہے کہ وہ شاہی پلنگ پر سو رہا ہے یا پتھروں پر سو رہا ہے۔ تو جب سو گئے تو جیسے آپ ویسا میں اور جتنا وقت میں جاگتا رہا میں ذکر الٰہی کرتا رہا اور آپ جتنا وقت جاگتے رہے دنیاداری جوڑتے رہے ہوں گے وہ وقت میرا آپ سے بہتر گذرا۔ تو بھی امتحان ہوگا وفاؤں کا، سچ بولنے کا، وعدہ وفا کرنے کا۔ اللہ کریم سمجھ بھی دے، شعور بھی دے، استقامت بھی دے اور خاتمہ بالایمان نصیب کرے اور اپنے اور اپنے حبیب ﷺ کی بارگاہ میں سرخرو کرے۔

وآخر دعونا ان الحمد للہ رب العالمین

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ٹیلی فون نمبر کی تبدیلی

ماہنامہ المرشد

کا ٹیلی فون نمبر 35182727 042 سے تبدیل کر کے 35180381 042 کر دیا گیا ہے آئندہ اس نمبر پر رابطہ کریں

ماہنامہ المرشد میں اشتہار دینے کے خواہشمند متوجہ ہوں

جو حضرات اپنے یا اپنی کمپنی کے لیے ماہنامہ المرشد میں اشتہار شائع کروانا چاہتے ہیں وہ سرکولیشن مینجر ماہنامہ المرشد لاہور سے رابطہ کریں۔

دفتر: ماہنامہ المرشد۔ 17 اویسیہ سوسائٹی کالج روڈ ٹاؤن شپ لاہور۔ فون: 042-35180381

قارئین المرشد سے

التماس ہے کہ المرشد کے بارے میں اپنی آراء سے مستفیض فرمائیں اور اس کو زیادہ مفید اور معتبر بنانے کے لئے اپنی تجاویز سے نوازیں۔

نیز یہ بھی گزارش ہے کہ اہل حضرات اپنے مضامین بھجوائیں جو ساتھیوں کی رہنمائی اور نئے قارئین کے لیے نفس کی اصلاح کا سبب بن سکیں۔ یا ایسے واقعات و تجربات تحریر فرمائیں جو سبق آموز ہوں۔

(مدیر ماہنامہ المرشد)

حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کی محافل کے انمول موتی

حافظ جمیل شاہ (ایبٹ آباد)

حضرت العلام مولانا اللہ یار خانؒ نے اپنی زندگی میں جو سنگریزے جمع فرمائے تھے آج وہ لعل و جواہر اور یاقوت بن چکے ہیں۔ آپ نے جس تحریک کی ابتداء خاموشی کے ساتھ فرمائی تھی آج وہ تحریک آپ کے شاگردوں اور جان نثاروں نے دنیا کے کونے کونے تک پہنچادی ہے۔ لاکھوں انسانوں کے قلوب و اعمال میں انقلاب برپا ہو چکا ہے عظمت دین کی جو پنیری آپ نے لگائی تھی وہ ایک مضبوط تناور درخت بن گیا ہے اس کی چھاؤں میں بیٹھنے کیلئے جوق در جوق لوگ جمع ہو رہے ہیں حضرت جیؒ نے فیض کے جو خزانے لٹائے قوت تحریر کیلئے اس کا احاطہ ناممکن ہے البتہ علم و حکمت کے جو موتی آپ کی مختلف محافل خصوصاً اسلام آباد میں میسر آئے انہیں جمع کرنے کی کوشش کی ہے یہ موتی ریکارڈنگ اور چند اوراق سے میسر آئے جو مختلف کاغذات پر حضرت کی موجودگی میں نوٹ کرتا رہا۔ یہ موتی چننے اکٹھا کرنے اور پرونے میں اگر کمی رہ گئی ہو تو یہ میری کوتاہی ہوگی۔

ضرورت شیخ کے حوالے سے ایک سوال کے جواب میں فرمایا منازل میں انسان کتنی بھی بلندی پر چلا جائے ربط بالشیخ ہی اس کی اساس و بنیاد ہے جیسے پتنگ کتنی بلندی پر چلی جائے ڈور اس کے لئے ضروری ہے اگر یہ رشتہ ٹوٹ جائے تو وہ اڑنے کی جگہ بتدریج گرنا شروع ہو جائے گی۔ اور بالآخر درختوں اور جھاڑیوں میں الجھ کر برباد ہو جائے گی۔ لطائف میں طالب کی مثال بالکل ایک بیمار کی سی ہے جو دوا اور غذا وغیرہ کے معاملہ میں ڈاکٹر کے تابع ہے ڈاکٹر ہی جان سکتا ہے کہ اس کی دوا کیا ہے اور کس چیز سے پرہیز اس کی صحت کیلئے ضروری ہے تو بالکل اس مریض کی طرح جو صحت کی طلب میں تلخ دوائیں پیتا اور مرغوب غذاؤں سے پرہیز کیا کرتا ہے ایسے ہی طالب کو شیخ کی اطاعت ضروری ہوتی ہے مگر شیخ بھی ہر کسی کو نہیں بنایا جا سکتا لوگ جہلا کے پیچھے چل کر تباہ ہو رہے ہیں یاد رکھیں شیخ کے لئے عالم ہونا ضروری ہے۔ جاہل کی بیعت حرام ہے اور بیعت لینے اور کرنے والا دونوں فاسق و فاجر ہیں۔ ہاں یہ ضروری نہیں کہ مروجہ نصاب تعلیم پڑھا ہوا ہو صحابہ کرامؓ اور تابعین کتب پڑھے ہوئے نہ تھے۔ بلکہ ارشادات نبویؐ کے جاننے والے تھے جو آپ نے ارشاد فرمایا انہوں نے از بر کر لیا۔ اسی طرح اگر کوئی اردو پڑھ کر ہی مسائل سیکھ لے یا سن کر یاد کرے کوئی بھی صورت ہو ضروریات دین سے واقف ہونا ضروری ہے ہے اور یہ مسلک اہلسنت والجماعت ہے۔ نیز شیخ کیلئے صرف عالم ہونا ہی شرط نہیں بلکہ علم کے ساتھ عمل بھی ہو متبع شریعت ہو، فرائض، واجبہ اور سنت راتبہ کا پابند ہو۔ اگر نوافل نہ پڑھتا ہو کم از کم فرائض و سنت کو تو ترک نہ کرتا ہو۔ اگر چہ نوافل ضروری نہیں مگر شیخ کو چاہیے کہ ضرور پڑھے کہ اس سے قلب کی نگہداشت بھی رہتی ہے اور قرب الٰہی کا سبب بھی ہیں۔ سب سے ضروری ہے کہ فن سلوک کا ماہر ہو۔ یہ تو ممکن ہے کہ کوئی طالب شیخ سے زیادہ پرہیز گار ہو مگر جس علم کا (یعنی طالب کی اصلاح و تزکیہ کا طریقہ) وہ طالب ہے اس میں شیخ کا ماہر ہونا ضروری ہے اور اس بات پر تمام علماء کا اتفاق ہے۔ اب آپ اپنی جماعت ہی کو دیکھیں کہ ساری جماعت کا ورع تقویٰ ایک طرف

ہوتو اکیلے قاضی صاحب ایک پلڑے میں سب سے بھاری ہوں گے مگر صرف تقوٰی ہی شرط نہیں بلکہ اس علم میں ماہر ہونا شرط ہے تا کہ وہ ممکن طریق سے رہنمائی کر سکے نیز اس میں ریا نہ ہو کبھی کسی کی طرف جھک جائے اور کبھی کسی کی طرف لڑھک جائے۔ بلکہ نہایت ثابت قدم ہو۔ قرآن مجید نے شیخ کیلئے چار شرائط بیان فرمائی ہیں ۔ا۔ اونٹ کی طرح مشقت برداشت کرنے والا۔۲ آسمان کی طرح بلند ہمت ہو ۳۔ پہاڑوں کی طرح ثابت قدم ہو۴۔ زمین کی طرح متوازن ہو یعنی اس میں عجز وانکساری ہو۔

آداب شیخ میں تو اس حد تک ہے کہ شیخ کے چہرے کو بھی مسلسل نہ گھورے اور ٹکٹکی باندھ کر نہ دیکھے کہ مبادا سوئے ادب شمار ہو مگر فی زمانہ جو اعظم المصائب ہے وہ یہ کہ علم اٹھتا جا رہا ہے۔ اور علماء ختم ہو رہے ہیں خصوصاً یہ فن تصوف (احسان، تزکیہ وسلوک) اس کا علم تو بالکل ہی کمیاب ہو رہا ہے۔ اور لوگ اپنی جہالت اور دوں ہمتی کی وجہ سے انکار میں مبتلا ہیں حالانکہ کتاب اللہ پر اگر نگاہ کی جائے تو از اول تا آخر اس میں ایک قدر مشترک نظر آتی ہے یعنی اس کی ساری تعلیمات دنیا سے چھڑا کر متوجہ الی اللہ کرتی ہیں جس قدر آسمانی کتب نازل ہوئیں یعنی ایک صد اور چار ان کا جملہ علم ان چار کتب میں ہے۔ ان سب کا قرآن مجید میں اور قرآن کریم کا سارا مفہوم سورۃ البقرہ میں ملتا ہے سورۃ البقرہ کا خلاصہ سورۃ الفاتحہ میں۔ سورہ الفاتحہ کا خزانہ بسم اللہ میں، بسم اللہ کا راز اس کی ب میں ہے کہ یہ بائے تلبیس ہے۔ یعنی ساری کائنات سے کٹ کر اللہ تعالیٰ سے واصل ہو جا۔ یہی بعثت انبیاء کا مقصد ہے کہ اللہ سے بچھڑی ہوئی مخلوق اور شیطانیت کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی انسانیت ادھر سے کٹ کر اللہ تعالیٰ سے جڑ جائے مگر بدنصیبی یہ کہ اسی سے انکار کیا جا رہا ہے اصل میں مصیبت یہ ہے کہ لوگوں سے یہ علم اٹھ گیا ہے جہالت کی بناء پر انکار کئے دیتے ہیں اس انکار کرنے والوں کے مقابل

ایک اور گروہ ہے جو رنگ نما اور رنگ فروش ہے جو دعوٰی کرتے ہیں مگر افسوس کہ عملاً کچھ نہیں کر پاتے یہ رنگ ساز نہیں ہیں۔ عوام کا یہ حال ہے کہ بے چارے رہبر اور رہزن میں تمیز سے عاری ہیں۔ یہ طبیب اور دوا فروش کے فرق کو نہیں جانتے اور مریض کیلئے معالج کے پاس جانے کے سوا چارہ نہیں۔ اور آج کل تو تقریباً سارے ہی مریض اور مختلف بیماریوں کا شکار ہیں۔ الّا ماشاء اللہ

ہم جس دور میں ہیں یہ اور بھی نازک ہے۔ اس لیے خوب سمجھ لو کہ بیوی بچوں واونٹ گھوڑے اور مال وجائیداد سے تعلق حفاظت کا ہونا چاہیے اور اس کی محبت ایک حد تک مگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق عبادت کا ہو۔ اور محبت غیر محدود اور ہر الفت پر غالب ہو اگر اس رتبہ کو حاصل نہ کر سکے تو چھوڑ بھی نہ دے اور اس کے حصول کا طریقہ ذکر الٰہی ہے کہ یہ جب آتا ہے تمام کجی اور کم فہمی کو دور کر دیتا ہے اور تمام ارزائل کو نکال باہر کرتا ہے۔ جیسے حضرت سلیمان کا مکتوب پا کر ملکۂ سبا بلقیس نے امراء سے مشورہ طلب کیا تھا تو سب نے کہا تھا کہ ہم طاقت میں تو کسی سے کم نہیں اور لڑنے کی قوت بھی رکھتے ہیں مگر حکم تو آپ ہی کا ہے۔ کہنے لگی تم نہیں جانتے کہ بادشاہ بحیثیت فاتح کسی شہر میں داخل ہوتے ہیں تو اہالیان شہر پر کیا بیت جاتی ہے اسے برباد کر دیتے ہیں اور امراء اور باثر لوگ ذلیل ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح ذکر الٰہی بھی حاکم ہے بہت بڑا بادشاہ ہے جب یہ کسی کو فتح کرتا ہے تو کبر وغرور، لالچ اور حرص جو وہاں سردار بنے بیٹھے ہیں ذلیل کر کے نکال دیتا ہے۔ تب جا کر دل قلب سلیم بنتا ہے اور کشف کی استعداد پاتا ہے مشاہدات ومکاشفات کے بارے ایک سوال کے جواب میں فرمایا انسان اگر اپنا مقام پہچان لے اور قرب الٰہی اور رضائے الٰہی کے حصول میں لگ جائے تو اس کی دنیا بھی سنور جائے گی اور آخرت میں بھی کامیاب ہوگا۔ اس کا واحد ذریعہ ذکر الٰہی کی کثرت ہے۔ یہ خیال رہے کہ کہ مشاہدات

ومکالمات اور مکاشفات کا حاصل ہو جانا ہے یا جمادات اور ارواح سے کلام کر لینا ہے کمال کی چیز نہیں۔ اصل کمال قرب الٰہی اور رضائے الٰہی کے حصول پر موقوف ہے جو اللہ کی اطاعت اور عبادت کے ذریعے حاصل ہوتی ہے اس لیئے اس کے صوفی کامل کے لیے ضروری ہے کہ مشاہدات وغیرہ تمام چیزوں سے صرف نظر کرتا ہوا اپنی منزل مقصود یعنی قرب الٰہی کی طرف بڑھتا چلا جائے اور یہ مقصد شیخ کامل کی رہبری سے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔

ایک ساتھی نے اپنی تنگ دستی اور افلاس کے بارے حضرت کی توجہ مبذول کروانی چاہی تو حضرت جیؒ نے امام حسن بصریؒ کا واقعہ بیان فرمایا کہ حضرت کے پاس ایک آدمی آیا، اس نے کہا، حضرت میں بہت تنگ دست ہوں کوئی کھانے پینے کی چیز میرے پاس نہیں۔ آپ نے فرمایا، استغفار زیادہ سے زیادہ پڑھا کرو۔ وہ چلا گیا دوسرا آدمی آیا۔ اس نے کہا، حضرت! میری اولاد نہیں دعا کرو۔ فرمایا استغفار زیادہ پڑھا کرو۔ وہ بھی چلا گیا تیسرا آدمی آیا۔ اس نے کہا قحط سالی ہماری علاقہ میں بڑی ہے، بہت ہی تکلیف ہے بارش نہیں ہوتی آپ نے فرمایا، استغفار زیادہ پڑھا کرو۔ وہ بھی چلا گیا۔ چوتھا آدمی آیا اس نے، کہا حضرت! میرا باغیچہ سرسبز تھا پانی نہیں رہا۔ پانی نہ ہونے کی وجہ سے خراب ہو گیا ہے۔ آپ نے فرمایا، استغفار زیادہ پڑھا کر۔ تو وہ چلے گئے شاگردوں نے پوچھا، حضرت! یہ کیا بات ہے سب کو ایک ہی بات، استغفار پڑھو۔ کوئی سوال تو روزق کی تنگدستی کا کر رہا ہے کوئی باغیچہ کے جل جانے کا، کوئی قحط سالی کا، وظیفہ ایک ہی ہے استغفار کا۔ آپ نے فرمایا، قرآن مجید میں نوح علیہ السلام کی قوم کو استغفار کی تلقین کی گئی ہے چار چیزیں قرآن مجید میں بیان ہوئی ہیں، کفر سے توبہ کر کے اللہ کی بارگاہ میں استغفار پڑھیں۔ میں انکی امداد مال سے کروں گا، رزق کی تنگی نہ رہے گی، اولاد بہت دوں گا، ان کی اولاد کثیر تعداد میں پھیلے گی۔ آسمان سے پے در پے پانی برسے گا۔ اور وادیاں ندیاں بھر بھر کر بہتی ہوں گی اور میں ان کے باغیچوں کو سرسبز کر دوں گا اور نہریں جاری کر دوں گا۔ یہ استغفار کی خاص خاص برکتیں ہیں، تمام مصیبتوں کا علاج استغفار کا کثرت سے پڑھنا ہے دل کو صاف کرنے کیلئے یہ خاکروب ہے دل پر جو میل ہوتی ہے استغفار اس کو صاف کر دیتا ہے۔

انسانیت کی پریشانیوں اور دکھوں کے بارے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ آج کا انسان بڑا دکھی ہے لیکن اس کے یہ سارے دکھ اور پریشانیاں اس کی اپنی پیدا کردہ ہیں اس نے اپنی خداداد عقل سے کام لے کر اپنے گردوپیش کی دنیا کو تسخیر کر رکھا ہے وہ امور کائنات سے آشنا ہے لیکن جتنا وہ خارجی کائنات کی تزئین و آرائش میں آگے بڑھ رہا ہے اور جتنی اس کی نوک پلک درست کر رہا ہے اتنی ہی اس کی اندر کی دنیا ویران ہوتی جا رہی ہے۔ مشرق، مغرب کے علوم و دانش سے اپنا چراغ فکر روشن کرنا چاہتا ہے اور للچائی نظروں سے اس کی مادی اور میکانکی ترقی کو دیکھ رہا ہے۔ جلوۂ دانش عصر حاضر کے انسان کے عقل و دل و نگاہ کو خیرہ کر رہا ہے۔ عصر حاضر کے مفکرین اپنی اپنی قوموں کے تمدنی تنزل اور انسان کی تہذیبی پستی کے اسباب علل کی یافت میں کبھی اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ افسوس کہ آج کے انسان کی زندگی بے مقصد غایت ہے وہ ہر طرح کی بے سمتی و بے جہتی کا شکار ہے۔ بے مقصد و جہت زندگی ایک بھیانک خواب ہے۔ مقصد و غایت کی تلاش اس دور میں سب سے بڑا مسئلہ ہے اگر انسان اپنے مقصد حیات سے آگاہ ہو جائے اپنے وجود و ذات کی معنویت سے آشنا ہو جائے تو اسے وہ راستہ مل سکتا ہے جس کی تلاش میں نوع انسان منزل بہ منزل یہاں تک پہنچی ہے۔ اسلام کے پاس بکھرے ہوئے انسان کے لیئے امید کی کرن ہی نہیں بلکہ روشنی کا ایک بے پناہ ذخیرہ موجود ہے۔ یہ نور ہدایت خالق کائنات کی طرف سے نوع انسان کے نام اس کا آخری پیغام قرآن مجید

ہے۔ جسے اس نے اپنے آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ پر نازل فرما کر قیامت تک کیلئے آنے والی انسانیت کیلئے معیار ہدایت اور منارہ نور بنادیا ہے جس کی روشنی میں وہ اپنی حقیقت کو پاسکتا ہے اپنی راہ متعین کرسکتا ہے اوراس راہ پر چل کر کامیابی سے ہمکنار ہوسکتا ہے۔ اس کی عملی تفسیر خود پیغمبر اسلام ﷺ کا اسوہ حسنہ ہے۔ اور عملی نمونہ حضور اکرم ﷺ کے صحابہ کرامؓ کی وہ مقدس جماعت ہے جو تعامل دین حق کی جیتی جاگی تفسیر ہے۔ جسے بھی حقیقت کی تلاش ہے، جو بھی ہدایت کا طالب ہے وہ ان ستاروں سے اس آفتاب حقیقت کا نور حاصل کرے اس سراج منیر کی ضیا پاشیوں اور فیض سانیوں کا منظر ان کے آئینہ قلوب میں اوران کی سیرتوں میں منعکس دیکھے اوران ستاروں سے نکلنے والی موجہ ہائے نور کے جلوہ میں چلے اوراس سراج منیر تک پہنچ جائے اور عرفان حقیقت کا لطف اُٹھائے صحابیؓ سارے کے سارے عادل ہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا اَلصَّحَابَۃُ کُلُّھُمْ عَدُوْل محدثین جب حدیث کے راویوں پر جرح کرتے ہیں تو ہر راوی کی خوبیاں اور خامیاں بیان کرتے ہیں مگر جب صحابی کی ذات آتی ہے انکی زبان گنگ ہوجاتی ہے اردو قلم رک جاتے ہیں کیونکہ حضور اکرم ﷺ کا فیصلہ اَلصَّحَابَۃُ کُلُّھُمْ عدول کے بعد صحابہ پر جرح کرنے کی کون مسلمان جرات کرسکتا ہے صحابی کا قول دوسرے صحابی پر حجت نہیں ہوسکتا مگر ہمارے لیئے سب واجب الاتباع ہیں۔ صرف صحابہ کے ذریعے ہی تعلیم نبوت برکات نبوت اور حقائق نبوت سے باقی مخلوق آشنا ہوسکتی ہے۔ جن حضرات کی حق شناسی حق گوئی حق پرستی اور للّٰہیت کی شہادت رب العالمین خود دے اور زبان رسالت اس اجمال کی تفصیل بھی بتادے اوراس کی شہادت دے دے تو مزید کسی شہادت کی ضرورت ہی نہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

دعائے مغفرت

1- کراچی سے سلسلۂ عالیہ کے ساتھی ثاقب حسن صاحب کی والدہ محترمہ

2- سمبڑیال، سیالکوٹ سے سلسلۂ عالیہ کے ساتھی بشیر خان صاحب

3- سلسلۂ عالیہ کے ساتھی صاحب مجاز، قاری عبدالخالق صاحب کے برادر محترم

4- گوجرانوالہ سے سلسلۂ عالیہ کے ساتھی محمد اقبال صاحب کی والدہ محترمہ

5- حاصل پور سے سلسلۂ عالیہ کے ساتھی ملک سلیم صاحب کی جواں سال بیٹی

6- ڈسکہ، سیالکوٹ سے سلسلۂ عالیہ کے ساتھی جاوید اکبر خان صاحب اور نور محمد خان صاحب کے والد محترم

7- ڈسکہ، سیالکوٹ سے سلسلۂ عالیہ کے ساتھی محمد افضل مہر کی بیٹی

8- ملتان سے سلسلۂ عالیہ کے ضلعی امیر سعید احمد کی بیٹی

9- لاہور سے سلسلۂ عالیہ کے ساتھی خالد پرویز کی والدہ محترمہ

وفات پاگئے ہیں۔ ساتھیوں سے دعا کی درخواست ہے۔

مسائل السلوک من کلام ملک الملوک ؒ

شیخ المکرم حضرت امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی کا بیان

حضرت فرماتے ہیں کہ بعض اوقات بظاہر نقصان نظر آتا ہے لیکن شریعت کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع نہیں چھوڑنا چاہیے۔ اس میں کتنے منافع پوشیدہ ہوتے ہیں جو بظاہر ہمیں نظر نہیں آ رہے ہوتے۔

لطف کا بصورت قہر ہونا:

قولہٗ تعالیٰ: وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ الانفال:7

ترجمہ: اور تم اس تمنا میں تھے کہ غیر مسلح جماعت تمہارے ہاتھ آجاوے گی۔

''اس آیت سے معلوم ہوا کہ کبھی ضرر بصورت نفع ہوتا ہے۔''

فرمایا، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم بدر میں تشریف لے گئے تو بعض اصحابؓ کا یہ خیال تھا کہ مکے کا لشکر بھی قافلہ بچانے کے لئے آ گیا تھا تو اگر قافلہ ہمارے ہاتھ آجاتا تو وہ غیر مسلح تھے تو بہتر تھا کہ ان کے پاس اسلحہ کم اور مال بے شمار تھا تو ہم اُن قافلے والوں کو شکست دے کر سارا مال بھی حاصل کر سکتے تھے اور اتنی بڑی جنگ بھی نہ ہوتی لیکن اللہ کریم نے قافلے کو ایک طرف کر دیا اور لشکر سے مقابلہ کرا دیا تو یہ بھی بظاہر عجیب صورتحال تھی۔ یعنی اگر ظاہراً دیکھا جائے تو قافلے کے ساتھ مقابلے میں نفع زیادہ تھا۔ تکلیف کم تھی جبکہ جنگ کی صورت میں ایک لشکر جرار تھا، ہزار سے زائد لوگ تھے اور ادھر ۳۱۳ تھے اور اسلحے کی بھی کمی تھی، ذرائع بھی نہ ہونے کے برابر تھے، خوراک کی بھی کمی تھی ان کے پاس خوراک بھی وافر تھی، گھوڑے بھی تھے، اونٹ بھی تھے۔ لیکن ہوا کیا؟ اسلام کو ایسی عظیم الشان فتح ہوئی کہ انسانی تاریخ میں ایک مثال بن گئی کہ اہل حق کی اللہ تعالیٰ کس طرح مدد فرماتے ہیں۔ تو فرماتے ہیں کہ آیت اول سے معلوم ہوتا ہے کہ کبھی نفع بصورت ضرر ہوتا ہے کہ کبھی بظاہر ہر چیز نقصان دہ نظر آتی ہے لیکن اس سے منافع ہوتا ہے اور آیت ثانی سے معلوم ہوتا ہے کہ کبھی ضرر بصورت منافع ہوتا ہے۔ دوسری آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان نفع کی کوشش کرتا ہے۔ اسے بظاہر سارے حالات نفع کے نظر آ رہے ہیں لیکن نتیجہ جب نکلتا ہے تو نقصان ہو جاتا ہے۔ عارفین ہر وقت اس کو اپنے معاملات اور احوال میں مشاہدہ کرتے ہیں جنہیں اللہ نے

معرفت باری دی ہے یہ ان لوگوں کا کام ہے وہ اسے حالات وواقعات میں مشاہدہ کرتے رہتے ہیں کہ چیزیں دیکھنے میں کچھ اور ہوتی ہیں نتائج کچھ اور نکلتے ہیں۔ آدمی کوئی چیز کھاتا ہے لذت کام ودہن کے لئے اور یہ بھی خیال کرتا ہے کہ اس سے بھوک بھی مٹے گی اور صحت بھی ہو گی لیکن ہوتا یہ ہے کہ وہی چیز اس کے لئے بیماری کا سبب بن جاتی ہے ۔ کبھی کوئی کڑوی چیز، ناپسندیدہ چیز کھالیتا ہے۔ بظاہر اسے وہ کڑوی لگتی ہے لیکن حقیقتاً اس کی صحت کو درست کر دیتی ہے تو کبھی بصورت نقصان نفع ہو جاتا ہے کبھی بصورت نفع نقصان ہو جاتا ہے۔ دیکھنے میں نفع لگتا ہے لیکن حقیقتاً نقصان ہو جاتا ہے۔ تو فرمایا، یہ عارفین کا کام ہے، وہ ان چیزوں کو دیکھتے ہیں اور اس کے مطابق اپنے طالبین کی تربیت فرماتے ہیں۔ لہٰذا اس میں ایک بات آ گئی کہ طالب کو معیار پرکھنے کا حق حاصل نہیں۔ معیار صرف شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ہے کہ کوئی حکم شریعت کے خلاف نہ ہو۔ اس کے بعد طالب کے لئے شیخ کا حکم ماننا ضروری ہے جو شریعت کے مطابق ہو۔ اسی میں نفع ہے گو بظاہر اس کو اس میں نقصان بھی نظر آتا ہو۔

اسباب کا غیر مؤثر اور متضمن حکمت ہونا:

قولہٗ تعالیٰ: وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰی وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ الانفال:10

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نے یہ امداد محض اس لئے کی کہ بشارت ہو اور تاکہ تمہارے دلوں کو قرار ہو جائے اور نصرت صرف اللہ ہی کی طرف سے ہے۔

''اس پر دال ہے کہ باوجود اسباب کے غیر موثر ہونے اور مسببات کے من جانب اللہ ہونے کے پھر بھی اسباب میں حکمتیں ہیں۔''

فرماتے ہیں اس آیت کریمہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اسباب از خود نتائج پیدا نہیں کرتے۔ اسباب غیر موثر ہوتے ہیں۔ نتائج اللہ پیدا کرتا ہے۔ یعنی یہ حتمی بات ہے کہ اسباب کے نتائج اللہ کے دست قدرت میں ہیں۔ ہم روزگار کے لئے تجارت کرتے ہیں، محنت مزدوری، یہ سارے اسباب روزی حاصل کرنے کے ہیں۔ لیکن اسباب کے مطابق نہیں ملتی، ملتی اتنی ہے جتنی اس کو منظور ہوتی ہے۔ جتنی وہ دیتا ہے۔ کبھی ہماری محنت تھوڑی ہوتی ہے ثمر زیادہ آ جاتا ہے۔ کبھی ہماری محنت زیادہ ہوتی ہے، ثمر کم آتا ہے۔ کیوں؟ ثمرات اللہ کی طرف سے ہیں۔ اس کے باوجود فرمایا یہاں اسباب کو رد نہیں فرمایا اسباب کا اختیار کرنا خود اطاعتِ الٰہی ہے وہ اسباب جو شریعت کے مطابق ہوں، انہیں اختیار کرنا خود اطاعت الٰہی ہے اور اس میں صرف ایک بات دیکھ لیجئے کہ وطن عزیز پاکستان میں اکثریت نیک لوگوں کی ہے۔ اہل علم کی ہے، اہلِ تقویٰ کی ہے، حلال کھانے والوں کی ہے لیکن عجیب بات ہے کہ اقتدار ہمیشہ ان لوگوں کے پاس ہوتا ہے جو چور اُچکے ہیں، قومی خزانے کو لوٹتے ہیں ظلم اور ناانصافیاں کرتے ہیں۔ یہ کیا وجہ ہے، ایسا کیوں ہوتا ہے؟ ایسا اس لئے ہوتا ہے کہ جو نیکوں کی اکثریت ہے یہ صرف دعاؤں اور وظیفوں پر بیٹھی رہتی ہے یہ

عملاً تبدیلی کیلئے کام نہیں کرتے کہ اہلیت رکھنے والے دیانت دار اور نیک لوگوں کی مدد کریں کہ وہ اوپر آسکیں۔

یہ دیندار طبقہ پاکستان میں اکثریت میں ہے۔ میں نے دنیا میں پھر کے دیکھا ہے میں ویسے ہی نہیں کہہ رہا، میں نے جاپان سے امریکہ تک اور چین سے افریقہ تک دنیا دیکھی ہے۔ الحمد للہ، جتنی نیکی، جتنا دینی علم، جتنی اللہ اللہ پاکستان میں ہوتی ہے یہ شرف روئے زمین پر اس سرزمین کو نصیب ہے۔ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت دنیا بھر کی نسبت یہاں زیادہ ہوتی ہے۔

ایسے ایسے مدارس ہیں کہ دنیا بھر سے لوگ یہاں علم حاصل کرنے آتے ہیں ہزاروں بچے بچیاں مختلف ممالک سے آتی ہیں اور یہاں دینی تعلیم حاصل کرتی ہیں، دنیاوی تعلیم حاصل کرتی ہیں۔ دیندار لوگوں کی اکثریت ہونے کے باوجود تبدیلی کیوں نہیں آتی؟ جب الیکشن ہوتے ہیں تو 15 فیصد، 20 فیصد لوگ ووٹ دیتے ہیں جسے حکومت 30-32 کہہ دیتی ہے۔ 30، 32 فیصد بھی دیں تو ۷۰ فیصد نے تو نہ دیئے کیا یہ 70٪ وہ لوگ ہیں جو آوارہ اور بدچلن ہیں؟ نہیں۔ آوارہ، بدچلن، غیر مہذب اور بدمعاش لوگ سب ووٹ دیتے ہیں۔ نہیں دیتے تو یہ صرف دین دار طبقہ نہیں دیتا۔ یہ صرف دعاؤں پہ بیٹھے رہتے ہیں کیا صرف دعاؤں سے تبدیلی آجائے گی۔ تو اگر یہ عملی تدابیر اختیار کریں، جس کے ہم مکلف ہیں کہ نیکی کی حمایت کریں اور نیکی کے لئے کوشش کریں اور نیکی کو غالب کرنے کے لئے ہمارے بس میں جو ہے وہ ضرور کریں تو یہاں حضرت فرماتے ہیں کہ اگرچہ نتائج اللہ کی طرف سے ہوتے ہیں لیکن اسباب کو چھوڑا نہیں جاسکتا۔ نہ اسباب پہ کلیتاً اعتماد کیا جاسکتا ہے نہ اسباب کو ترک کیا جاسکتا ہے۔

قولہ تعالیٰ: اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ الانفال:11

ترجمہ: اس وقت کو یاد کرو جب اللہ تعالیٰ تم پر اونگھ طاری کر رہا تھا۔

''یعنی نزول سکینہ سے قویٰ بدنیہ اور صفات نفسانیہ کا سکون عطا کر دیا۔''

فرمایا، جب اللہ نے دلوں پر سکینہ، تسکین، تسلی نازل فرمادی۔ یہ بھی بدر کے واقعات میں سے ہے کہ من جانب اللہ ایسی کیفیت نازل ہو گئی کہ دل مضبوط ہو گئے۔ وہ جرأت پیدا ہو گئی تین سو تیرہ ۳۱۳، غیر مسلح، بھوکے پیاسے تہی دست لوگوں میں وہ جرأت آگئی کہ وہ اس لشکر جرار کے سامنے ڈٹ گئے۔ تو یہ کیفیات وہبی ہوتی ہیں۔ اللہ کی طرف سے ہوتی ہیں اور اس خلوص پر وارد ہوتی ہیں جو بندے کو اپنے اللہ اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوتا ہے۔ یہ 313 کیونکہ مخلص تھے، فنافی الرسول تھے۔ انہیں زندگی موت کی پرواہ نہیں تھی۔ انہیں اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی پرواہ تھی۔ انہیں یہ فکر نہیں تھی کہ ہم بچیں گے یا مر جائیں گے، فکر یہ تھی کہ اللہ اور اللہ کے حبیب ﷺ کی اطاعت میں سر مو فرق نہ آئے تو اللہ کریم نے آسمانوں سے ان پر تسلی بھی نازل فرما

دی ان کی مدد کے لئے فرشتے بھی نازل فرمادیئے، ان کو فاتح بھی قرار دے دیا۔ یہ سب اللہ کی طرف سے تھا تو اسی طرح فرماتے ہیں کہ اخذ فیض کے کُلّی اطاعت اور شیخ پر اعتماد شرط ہے۔

چند امور معتبر کا فی التصوف کا ثبات:

قولہ تعالیٰ: وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ الانفال:11

ترجمہ: اور تم پر آسمان سے پانی برسارہا تھا تا کہ اس پانی کے ذریعہ سے تم کو پاک کر دے اور تم سے شیطانی وسوسہ کو دور کر دے۔

"یعنی شیطان کا وسوسہ اور تخولف وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ اور تمہارے دلوں کو مضبوط کر دے یعنی قوت یقین سے قلب کو قوی کر دے اور تمہارے قلب کو قرار بخشے وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ وجہ یہ کہ خوفناک مواقع میں شجاعت و ثابت قدمی قوتِ یقین کے ثمرات سے ہے کذافی الروحیس آیت میں چند امور کا اثبات ہے جو صوفیہ کے نزدیک معتبر ہیں۔"

سکینہ ایک باطنی کیفیت تھی جو اللہ تعالیٰ نے بدر میں نازل فرمائی۔ بظاہر پانی نہیں مل رہا تھا کچھ لوگوں کو غسل کی ضرورت تھی۔ کچھ نے وضو کرنا تھا۔ پینے کے لئے اللہ کریم نے آسمان سے بارش فرمادی تا کہ تمہیں غسل کرنے کا، وضو کا پانی بھی مل جائے اور عجیب بات ہے کہ جس زمین پر مسلمان تھے وہ ریتلی تھی۔ بارش ہوئی تو وہ جم کر مضبوط ہو گئی۔ جس زمین پر مشرکین مکہ تھے اس طرف ریت کی نسبت مٹی زیادہ تھی، بارش ہوئی تو کیچڑ اور پھسلن ہو گئی۔ فرمایا، جب خلوص ہوتا ہے تو اللہ کریم اسباب باطنی بھی مہیا فرمادیتے ہیں اور ظاہری فائدے بھی نازل فرمادیتے ہیں جیسے آسمان سے بارش نازل فرمادی جس سے لوگوں نے طہارت حاصل کی، وضو کر لیا۔ اس کا مطلب ہے طہارت کے بغیر رہنا شیطان کو وسوسے ڈالنے میں آسانی پیدا کرتا ہے، ناپاک وجود میں پاک کی نسبت زیادہ آسانی سے وسوسے ڈال سکتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی باوضو رہے تو بے وضو رہنے کی نسبت شیطانی وساوس سے زیادہ محفوظ رہتا ہے۔ تو فرمایا تا کہ تم پاک بھی ہو لو اور وضو بھی کر لو اور وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ اور تم سے شیطان کے وسوسے دفع کر دے یعنی شیطانی وساوس پاک اور باوضو وجود میں نہیں آتے۔ اسی لئے علما حضرات فرماتے ہیں کہ وضو بذات خود فرض نہیں ہے۔ عبادت نہیں ہے۔ وضو فرض ہے بالواسطہ یعنی جب نماز کا وقت ہوتا ہے نماز فرض ہوتی ہے تو نماز کے لئے وضو بھی فرض ہو جاتا ہے۔ وضو فرض ہے بواسطہ نماز کے، بجائے خود فرض نہیں ہے لیکن اگر باوضو رہا جائے تو شیطانی وساوس سے بچنے کا ایک بہت اعلیٰ طریقہ ہے اور بڑا ہتھیار ہے۔

قولہ تعالیٰ: وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ الانفال:11

ترجمہ: اور تمہارے دلوں کو مضبوط کر دے۔

یعنی قوت یقین سے دلوں کو قوی فرما دے۔ یہ رابطہ، رابطہ قلوب جو ہوتا ہے، اس کا ذکر یہاں بدر میں بھی ہوا۔ اس کا ذکر اصحاب کہف کے قصے میں بھی آتا ہے۔ اس کا ذکر والدہ موسیٰ کے قصے میں بھی آتا ہے کہ ہم نے ان کے دل سے رابطہ کیا، یعنی ان کے دل کو مضبوط کر دیا اصحاب کہف کے قصے میں بھی آتا ہے کہ اپنا رابطہ ہم نے ان کے قلوب سے کیا۔ اور یہاں بھی فرمایا وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ تا کہ تمہارے دلوں سے رابطہ کرے اور صوفیاء بھی بنیادی طور پر لطائف کے بعد اگلا سبق رابطے کا ہی دیتے ہیں کہ قلب کا تجلیات باری سے رشتہ استوار ہو جائے۔ ایک باطنی قوت اس میں آجائے اعتماد علی اللہ اور ایمان بالرسالت مضبوط ہو جائے۔ اس درجے کا اللہ اور اللہ کے رسول کے ساتھ ایمان ہو جائے کہ اس کی نافرمانی سے روک دے۔ ایمان اس کیفیت کا نام ہے اگر بندہ نافرمانی کرتا ہے تو اس نے کیا مانا۔ ایک بندے کو جس طرح کسی کو کوئی کام کہا جائے اور وہ زبانی کہتا رہے کہ میں مانتا ہوں لیکن عملاً نہ مانے تو یہی کہا جائے گا کہ یہ تو ماننے کا مذاق اڑا رہا ہے۔ یا جس طرح اب حکومت اور عدالت کا رویہ ہے۔ عدالت حکم دیتی ہے حکومت کہتی ہے ہم عدالت کا احترام کرتے ہیں لیکن ہم یہ بات نہیں مانتے۔ یہ مذاق بنا ہوا ہے تو ایمان نام ہے بات ماننے کا، اطاعت کا اور فرمایا یہ توفیق اس رابطے سے نصیب ہوتی ہے جو قلوب کو عظمت الٰہی سے، بارگاہ الٰہی سے، انوارات و تجلیات الٰہی سے نصیب ہوتا ہے۔

قولہٗ تعالیٰ: فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۖ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى الانفال:71

ترجمہ: سو تم نے ان کو قتل نہیں کیا لیکن اللہ نے ان کو قتل کیا اور آپ نے خاک کی مٹھی نہیں پھینکی لیکن اللہ نے پھینکی

''روح میں ہے کہ پہلے جملہ میں فنا افعال کی طرف ہدایت ہے کہ ان سے فعل کو بالکلیہ سلب کر لیا گیا اور دوسرے جملے میں فنا کے ساتھ بقاء کی طرف بھی اشارہ ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقام بقاء پر تھے اس لئے رمیت کی نسبت ثابت بھی کی گئی ہے اور اس کی نفی بھی کی گئی ہے اور وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى میں اشارہ ہے کہ آپ بنفسہ رامی نہ تھے بلکہ رامی باللہ تھے اور چونکہ صحابہ (اس وقت) اس مقام پر نہ تھے تو ان کی طرف کوئی فعل منسوب نہیں کیا گیا۔''

ضرورت رشتہ

لڑکا خوبصورت، دراز قد | عمر: ساڑھے 28 سال

پیشہ: پاکستان آرمی میں کیپٹن

سلسلہ عالیہ سے وابستہ

خواہشمند حضرات مندرجہ ذیل ٹیلی فون نمبروں پر رابطہ کریں۔

0300 6078449 | 0333 7803566

خواتین کا صفحہ

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

ام فاران (راولپنڈی)

نام ونسب: نام: عائشہ۔ لقب: صدیقہ اور حمیرا اور کنیت: ام عبداللہ تھی۔ اس زمانے میں کنیت عرب میں شرافت کا نشان متصور ہوتی تھی۔ آپؓ کی کوئی اولاد نہیں تھی جس کی وجہ سے آپؓ کی کوئی کنیت بھی نہیں تھی، اس لیے آپؓ نے حضورﷺ سے عرض کی کہ میری کنیت تجویز فرما دیجئے۔ تمام دوسری عورتیں اپنی کنیت کی وجہ سے مشہور ہیں۔ حضورﷺ نے فرمایا تم اپنی کنیت (اپنے بھانجے) عبداللہ (ابن زبیر) کے نام سے رکھ لو۔ (عظیم خواتین اسلام)

حضرت عائشہؓ قریش کے خاندان بنو تمیم سے تھیں۔ آپؓ حضرت ابوبکر صدیقؓ بن ابوقحافہؓ بن عامر بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ کی صاحبزادی تھیں۔ والدہ کا نام زینب بنت عامر تھا جن کی کنیت ام رومان تھی۔ وہ قبیلہ غنم بن مالک سے تھیں۔

پیدائش: حضرت عائشہؓ شوال کے مہینے میں پیدا ہوئیں۔ صدیق اکبرؓ کا گھرانہ سب سے پہلے اسلام لایا، اس بناء پر حضرت عائشہؓ کا شمار ان ہستیوں میں ہوتا ہے جن کے کانوں نے کبھی کفر وشرک کی آواز نہیں سنی۔ وہ خود فرماتی ہیں کہ ''جب سے مجھے اپنے والدین کی شناخت کا شعور ہوا تو میں نے اپنے ماں باپ کو اسلام پہ پایا اور دیکھا کہ نبی کریمﷺ روزانہ صبح وشام ہمارے گھر تشریف لاتے تھے۔'' (صحیح بخاری)

اختلاف: اس میں اختلاف ہے کہ حضرت عائشہؓ کی پیدائش 4/5 سال قبل از نبوت ہے یا بعد۔ لیکن مذکورہ روایت سے درج ذیل چند اہم نکات ثابت ہوتے ہیں۔

۱۔ چونکہ یہ اسلام کے ابتدائی دور کی بات ہے لہٰذا وہ سن ایک نبوی میں سن شعور کو پہنچ چکی تھیں۔

۲۔ انہیں اتنی سمجھ بوجھ تھی کہ اس وقت اسلام اور مشرکانہ رسوم ورواج میں امتیاز کر سکیں۔

۳۔ وہ حضورﷺ کو پہچانتی تھیں اور ان کی اپنے گھر میں آمد ورفت کے معمول سے واقف تھیں۔

نیز آپؓ فرماتی ہیں کہ جب مکہ میں سورہ القمر کی یہ آیت (بل الساعۃ موعدھم والساعۃ ادھی وامر) نازل ہوئی تو میں اس وقت لڑکی بالی تھی اور کھیلتی پھرتی تھی۔ (بخاری شریف) اگر اس وقت ان کی عمر اتنی تھی کہ انہیں اس سورت کی ایک آیت بھی یاد ہوگئی تو پھر ان کی پیدائش نبوت کے پانچ سال بعد کیسے قرار پا سکتی ہے۔

''سیرت النبیﷺ کامل'' مرتبہ ابن ہشام میں ان کا نام السابقون الاولون میں شامل ہے۔ کتاب ''حیات سید العرب'' میں بھی حضرت عائشہؓ کا نام سابقون الاولون میں شامل ہے، جس کی تائید حافظ بلقینی اور حافظ عراقی نے کی ہے۔ محدث سہیلی نے بھی اپنی کتاب ''الروض الانف'' میں ان کو السابقون الاولون میں شامل کیا ہے۔ اگر سن پانچ نبوی تک آپؓ پیدا ہی نہیں ہوئی تھیں تو ان کا اسم گرامی اس فہرست میں کیسے شامل ہوگیا؟ السابقون الالون میں آپؓ کے نام کی شمولیت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے نبوت کے اعلان کے بعد کم عمری میں یعنی چھ سات برس کی عمر میں اپنے والدین کے ساتھ یا کچھ عرصہ بعد لیکن

سن ۳ نبوی سے قبل اسلام قبول کیا۔

سب سے معتبر سیرت نگار ابن اسحاق نے اولین اسلام قبول کرنے والے پچاس افراد میں حضرت عائشہؓ کا شمار بیسویں نمبر پر کیا ہے۔ البتہ ان کے نام کے آگے مرقوم ہے کہ "وہ قبول اسلام کے وقت کم عمر تھیں۔" چونکہ اس فہرست میں اور کسی نومسلم بچے کا ذکر نہیں اس لیئے یہ وضاحت ضروری سمجھی گئی۔ گویا اس فہرست میں ان کی بڑی بہن اسماءؓ کو بھی بالغ افراد میں شامل کیا گیا ہے، اس سے سیدہ اسماءؓ کی پیدائش 14/15 سال قبل نبوت کی تصدیق ہوجاتی ہے۔ یہ بھی مشہور ہے کہ وہ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے دس سال بڑی تھیں اس لحاظ سے بھی قبول اسلام کے وقت حضرت عائشہؓ کی عمر چھ یا سات سال بنتی ہے۔ (میزان عمر عائشہ صدیقہؓ از بریگیڈیئر حامد سعید)

رضاعت: ان کو وائل کی بیوی نے دودھ پلایا تھا۔ وائل کے بھائی افلح جو حضرت عائشہؓ کے رضاعی چچا تھے کبھی کبھی حضورﷺ کی ان کے سامنے آنے کی اجازت کے بعد ان سے ملنے کے لیئے آیا کرتے تھے اور کبھی کبھار رضاعی بھائی بھی ملنے آتا تھا۔ (بخاری شریف)

ذہانت: وہ نہایت ہی ذہین وفطین اور ہوشمند تھیں۔ اپنے بچپن کی تمام باتیں جیسے سورہ القمر کی آیت، انہیں یاد تھیں۔ بچپن میں ایک دفعہ وہ کھلونوں سے جن میں ایک پردار گھوڑا بھی تھا کھیل رہی تھیں کہ حضور ﷺ پاس سے گذرے۔ انہوں نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ جواب دیا گھوڑا ہے۔ حضورﷺ نے فرمایا گھوڑے کے تو پر نہیں ہوتے۔ تو انہوں نے بے ساختہ جواب دیا۔ کیوں یارسول اللہﷺ! حضرت سلیمان علیہ السلام کے گھوڑوں کے تو پر تھے۔ یہ جواب سن کر حضورﷺ نے تبسم فرمایا۔

نسبت: حضورﷺ سے پہلے حضرت عائشہؓ کی نسبت طے ہوچکی تھی۔ حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد حضرت خولہؓ نے حضورﷺ کو افسردہ پاکر آپﷺ کی اجازت سے دو جگہ نکاح کا پیغام دیا۔ ایک بی بی سودہؓ کے گھر اور دوسرے انہوں نے حضرت عائشہؓ کے لئے ان کی والدہ ام رومان سے کہا جنہوں نے حضرت ابوبکرؓ سے ذکر کیا۔ حضرت عائشہؓ کی نسبت جبیر بن مطعم سے طے ہوچکی تھی نہ کہ جبیر کے بیٹے سے۔ سیرت النبیﷺ میں الغرض بشری کے باعث شبلی نعمانی نے انہیں جبیر کے بیٹے سے منسوب ہونے کا لکھ دیا اور بعد میں آنے والوں نے اسی روایت کو دہرا دیا۔ (میزان عمر عائشہ صدیقہؓ)

نکاح: جب حضرت ابوبکرؓ سے ذکر کیا گیا تو انہوں نے فرمایا میں تو مطعم بن عدی سے وعدہ کرچکا ہوں۔ نیز ابوبکرؓ جو حضورﷺ کے منہ بولے بھائی تھے متعجب ہوکر کہنے لگے کہ کیا بھائی کی بیٹی سے نکاح ہوسکتا ہے؟ اللہ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ مطعم نے اپنی بیوی کے ایما پر کہ اگر ابوبکرؓ کی بیٹی ان کے گھر آگئی تو ان کے گھر میں اسلام قدم رکھ لے گا یہ منگنی منسوخ کردی۔ نیز حضرت خولہؓ نے جب حضورﷺ سے ابوبکرؓ کے تعجب کا ذکر کیا تو آپﷺ نے فرمایا کہ ابوبکرؓ میرے دینی بھائی ہیں اور ایسے بھائیوں کی اولاد سے نکاح جائز ہے۔ حضرت ابوبکر کیلئے اس سے بڑی خوشی اور کیا ہوسکتی تھی۔ فوراً راضی ہوگئے۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ ہجرت سے تین سال قبل ماہ شوال میں رسول اللہﷺ کے نکاح میں آگئیں۔ نکاح خود حضرت ابوبکر صدیقؓ نے پڑھایا۔ حق مہر ۵۰۰ درہم مقرر ہوا۔

نکاح کے وقت حضرت عائشہؓ کی عمر: اہل عرب ادب عالیہ اور شعر وشاعری کے علاوہ علم الانساب میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ عربوں کے شجر ہائے نسب دیکھیں تو بیسویں پشت تک کے حوالہ جات مل جاتے ہیں مثلاً، سیدہ عائشہؓ بنت ابوبکر صدیقؓ بن ابوقحافہؓ بن عامر بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ۔ یوں ساتویں پشت میں سیدہ عائشہؓ کا سلسلہ نسب حضورﷺ سے جا ملتا ہے، جو بیسویں پشت میں حضورؐ کے جد امجد سعد بن عدنان تک جا پہنچتا ہے۔ (میزان عمر عائشہؓ) تاہم عمروں کے معاملے

میں بہت سے تاریخی اختلافات ہیں جس کی وجہ قمری کیلنڈر کی عدم دستیابی ہے۔اسی لئے اہل عرب سالوں کا تعین اہم واقعات سے کرتے تھے۔مثلاً حضور ﷺ کا سن پیدائش عام الفیل ہے۔حضرت عائشہؓ کی عمر کے متعلق متعدد حوالوں سے قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ وہ نبوت سے چند سال بیشتر پیدا ہو چکی تھیں اور رخصتی کے وقت ان کی عمر 18 اور 19 سال کے درمیان تھی چند ایک حوالہ جات کا ذکر پہلے گذر چکا ہے۔کچھ اور کا ذکر یہاں کیا جاتا ہے۔

ا۔ہجرت کے وقت سیدہ اسماءؓ کی عمر ۲۷ سال تھی لہذا وہ چودہ برس قبل نبوت میں پیدا ہوئیں۔(براویت حافظ ذہبی، ابن کثیر)۔چونکہ حضرت عائشہؓ ان سے دس سال چھوٹی تھیں لہذا وہ چار سال قبل نبوت پیدا ہوئیں۔اس طرح تیرہ برس بعد ہجرت کے وقت ان کی عمر سترہ سال اور سن ۲ ہجری میں رخصتی کے وقت ان کی عمر ۱۹ برس بنتی ہے۔

ب۔سیدہ فاطمہؓ نبوت سے پانچ چھ برس قبل پیدا ہوئیں۔(اس ضمن میں حضرت عباسؓ کا قول راجح مانا جاتا ہے)۔سیدہ عائشہؓ ان سے ڈیڑھ دو سال چھوٹی تھیں۔گویا وہ نبوت سے چار پانچ سال قبل پیدا ہوئیں۔(میزان عمر عائشہؓ)

ج۔سیدہ عائشہؓ کی عمر کے متعلق احادیث کا راوی ہشام بن عروہ ہے جو بی بی اسماءؓ اور زبیر بن عوامؓ کا پوتا ہے۔امام مالکؒ بھی شروع میں اس سے حدیث کا سبق لیتے تھے لیکن بعد میں ان کا اعتبار ہشام کی روایات کی صحت سے اٹھ گیا بلکہ خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں امام مالک ؒ کے حوالے سے یہاں تک لکھا ہے کہ ہشام بن عروہ ایک دروغ گو انسان تھا۔(تاریخ بغداد) ذہبی فرماتے ہیں کہ جوانی میں ہشام بن عروہ کا حافظہ جتنا عمدہ تھا بڑھاپے میں نہ رہا۔عراق میں انہوں نے لوگوں کے سامنے ایسی احادیث پیش کیں جنہیں وہ صحیح طور پر بیان نہ کر سکے۔(میزان الاعتدال) ہشام کی ذہنی کیفیت کا پتہ اس کے اس بیان سے بھی چلتا ہے کہ اس نے اپنی بیوی کی عمر کے متعلق بتایا کہ وہ اس سے 13 سال بڑی تھی اور وہ 9 سال کی عمر میں رخصت ہو کر میرے گھر آئی۔گویا اس کی پیدائش سے بھی چار سال پہلے۔حافظ ذہبی فرماتے ہیں کہ دراصل اس کی بیوی کی عمر ۲۹ سال تھی اور اس نے دو عشروں کو گرا دیا یعنی تسعۃ عشرین (۲۹) سے صرف تسعۃ (۹) بنا ڈالا۔اسی طرح اس نے سیدہ عائشہؓ کی عمر بھی ایک عشرہ کم کر کے تسعۃ عشر (۱۹) سے تسعۃ بنا ڈالا۔نیز ہشام نے اپنی مدنی زندگی میں کہا تھا کہ جب تم سے کوئی عراقی ایک ہزار احادیث بیان کرے تو نوسو نوے کو زمین پر دے مارو اور باقی دس میں بھی شک کرتے رہو۔مذکورہ حدیث (جس میں حضرت عائشہؓ کی رخصتی کے وقت عمر ۹ سال بتائی جا رہی ہے) کا ماخذ عراق ہی ہے اور تمام راوی کوفی یا بصری ہیں۔لہذا یہ کیسے معتبر ہو سکتی ہے (عمر عائشہؓ از حبیب الرحمان کاندھلوی)

قارئین زیر بحث موضوع پر مزید استفادہ اور تحقیق کیلئے مندرجہ ذیل کتب سے رجوع کر سکتے ہیں۔

۱۔عمر عائشہؓ از حکیم نیاز احمد اور علامہ حبیب احمد
۲۔سیرت عائشہؓ از سید سلیمان ندوی
۳۔میزان عمر عائشہؓ از برگیڈیئر (ر) حامد سعید اختر
۴۔مسلمانوں کی مائیں از رازق الخیری
۵۔حیات امہات المومنینؓ از سید سلیمان ندوی
۶۔تقویم تاریخی از مولانا عبدالقدوس ہاشمی
۷۔امہات الامہ از ڈپٹی نذیر احمد
۸۔امہات المومنینؓ اور مستشرقین از پروفیسر ظفر علی قریشی (یہ حال میں چھپنے والی بہترین تحقیقی کتاب ہے)
۹۔فیض عالم صدیقی کا عمر عائشہؓ سے متعلق مضمون جو طاہرہ کے نام سے موسوم کتاب میں چھپ چکا ہے قابل ذکر ہے۔
۱۰۔اس ضمن میں شیخ المکرم مولانا محمد اکرم اعوان صاحب کی یہی رائے ہے کہ تسعۃ عشر کو تسعۃ میں بدل دینے کی غلطی کی گئی ہے۔

چونکہ اس کے نتائج ہمیں حضورﷺ کی ذات گرامی پر کفار کے جھوٹے اعتراضات کی صورت میں بھگتنے پڑ رہے ہیں اس لئے اس موضوع پر روشنی ڈالنا ضروری سمجھا گیا۔

شوال کی نحوست کا وہم: ایک دفعہ شوال کے مہینے میں عرب میں طاعون کی بیماری پھیلی تھی جس نے ہزاروں گھروں کو ویران کر دیا تھا۔ تب سے عرب شوال کے مہینے کو منحوس سمجھتے تھے۔ حضرت عائشہؓ کا نکاح بھی شوال ہی کے مہینے میں ہوا اور چند سال بعد رخصتی بھی۔ اس وقت لوگوں کے دلوں سے اس نحوست کا وہم دور ہوا۔ آپؓ کا نکاح انتہائی سادگی سے ہوا۔ وہ خود فرماتی ہیں جس وقت میرا نکاح ہوا میں اپنی ہمجولیوں کے ساتھ کھیلا کرتی تھی مجھے اس نکاح کا حال تب معلوم ہوا جب میری والدہ نے مجھے گھر سے نکلنے سے منع کر دیا۔

خواب میں بشارت: حضرت عائشہؓ کے نکاح کی بشارت حضورﷺ کو خواب میں مل چکی تھی۔ آپﷺ نے خواب میں دیکھا کہ ایک فرشتہ ریشم کے کپڑے میں لپیٹ کر آپﷺ کے سامنے کوئی چیز پیش کر رہا ہے، پوچھا کیا ہے؟ جواب دیا کہ ''آپﷺ کی بیوی ہیں''۔ آپﷺ نے کھول کر دیکھا تو حضرت عائشہؓ تھیں۔ (صحیح بخاری)

ہجرت مدینہ: حضرت عائشہؓ سے نکاح کے تین سال بعد نبی کریمﷺ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضورﷺ کی معیت میں ہجرت فرمائی جب مدینہ میں اطمینان ہوا تو سرور کائناتﷺ اور حضرت ابوبکرؓ نے حضرت زید بن حارثہؓ، ابو رافعؓ اور عبداللہ بن اریقطؓ کو اپنے اہل وعیال لانے کے لئے مکہ بھیجا۔ یوں عبداللہ بن ابوبکرؓ، ام رومانؓ، اسماءؓ اور حضرت عائشہؓ نے عبداللہ بن اریقطؓ کے ساتھ مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی۔ (صحیح بخاری)

آب وہوا کا اثر: مدینہ منورہ پہنچ کر حضرت عائشہؓ محلہ بنو حارث میں اپنے والد محترم کے گھر اتریں۔ مدینہ کی آب وہوا شروع شروع میں مہاجرین کو موافق نہ آئی۔ حضرت ابوبکرؓ سخت بیمار ہو گئے۔ حضرت عائشہؓ نے نہایت تندہی سے ان کی تیمارداری کی۔ جب وہ صحت یاب ہوئے تو خود بیمار ہو گئیں۔

صحیح بخاری میں ہے کہ مدینہ میں آ کر حضرت عائشہؓ سخت بخار میں مبتلا ہوئیں۔ شدت مرض سے سر کے بال جھڑ گئے۔

رخصتی: جب صحت بحال ہوئی تو صدیق اکبرؓ نے حضور انورﷺ سے عرض کی۔ یارسول اللہﷺ! ''آپﷺ عائشہؓ کو رخصت کیوں نہیں کرا لیتے۔'' آپﷺ نے فرمایا ''میرے پاس فی الحال مہر نہیں ہے۔'' حضرت ابوبکرؓ نے اپنے پاس سے پانچ سو درہم حضورﷺ کی خدمت میں قرض حسنہ پیش کئے۔ جو حضورﷺ نے قبول فرما لئے اور وہی حضرت عائشہؓ کے پاس بھیج دیئے اور انہیں شوال میں رخصت کرا لیا۔

دو لغو خیالات کی اصلاح: حضرت عائشہؓ کے نکاح سے عرب کے بعض فضول خیالات کی اصلاح ہوئی۔ مثلاً عرب منہ بولے بھائی کی بیٹی سے شادی نہیں کرتے تھے اسی بنا پر پیغام نکاح پہ حضرت ابوبکرؓ نے حیرت کا اظہار کیا تھا کہ ''کیا یہ جائز ہے؟ وہ تو حضورﷺ کی بھتیجی ہے''۔ لیکن نے حضورﷺ نے فرمایا:

اَنتَ اَخِیْ فِی الاسْلَامْ ''تم میرے دینی بھائی ہو۔''

اہل عرب شوال میں شادی نہیں کرتے تھے۔ زمانۂ قدیم میں اس مہینہ میں طاعون آیا تھا۔ حضرت عائشہؓ کا نکاح اور رخصتی دونوں ہی شوال میں ہوئے۔

عام حالات: رخصتی کے بعد جو پہلا اہم واقعہ حضرت عائشہؓ کو پیش آیا وہ جنگ احد میں شرکت تھی۔ حضرت انسؓ سے منقول ہے کہ میں نے حضرت عائشہؓ وام سلیمؓ کو دیکھا کہ مشک بھر بھر کر لاتی تھیں اور زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں۔ (بخاری شریف)

دراصل جب حضورﷺ کی شہادت کی خبر اڑی تو مدینہ منورہ سے حضرت عائشہؓ، حضرت صفیہؓ، سیدۃ النساء حضرت فاطمہؓ اور دوسری خواتین دیوانہ وار میدان جنگ کی طرف لپکیں وہاں پہنچ کر حضورﷺ کو سلامت پایا اور سجدہ شکر بجا لائیں۔ ان سب نے مل کر حضورﷺ کے زخموں کو دھویا اور پھر مشکیزے سنبھال کر زخمیوں کو پانی پلایا۔ جب ادھر اُدھر منتشر صحابہؓ حضورﷺ کے گرد جمع ہوئے تو یہ واپس مدینہ تشریف لائیں۔

(جاری ہے)

اکرم التفاسیر

شیخ المکرم حضرت
امیر محمد اکرم اعوان
مدظلہ العالی

پارہ نمبر 10 سورۃ التوبہ: آیات نمبر 112/113

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ o وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى حَبِيْبِهٖ مُحَمَّدٍ وَّآلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ o اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِo بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ النَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ o مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَ لَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ o وَ مَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّ عَدَهَآ اِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ط اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ o وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ o

(التوبہ:112-115)

سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ o

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ.

اللہ کریم نے اس آیہ کریمہ میں اپنے بندوں کی تعریف فرمائی ہے۔ یوں تو سارے اللہ ہی کے بندے ہیں وہ جو کسی شاعر نے کہا ہے اور بہت اچھا کہا ہے۔

مالک سب کا ایک ہے مالک کا کوئی ایک
لاکھوں میں تو کوئی نہیں ہے اربوں میں جا دیکھ

مالک، پیدا کرنے والا، روزی دینے والا، زندگی دینے والا ساری نعمتیں عطا کرنے والا تو وہی ایک ہے لیکن ایسے بندے بہت کم ہیں جو اس کے بندے بنتے ہیں۔ فرمایا وَ قَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ (السبا : 13)۔ میرے شکرگزار بندے کم ہوتے ہیں۔ یہاں مسلمان کی تعریف کی گئی ہے۔ بنیادی طور پر تو اللہ کا بندہ ہونے کا فخر اُسے نصیب ہے جسے اسلام نصیب ہے۔ اسلام آج کا دین نہیں ہے اسلام دین حق ہے اور حضرت آدم عَلٰى نَبِيِّنَا عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ سے لے کر حضور آقائے نامدار ﷺ تک جتنے نبی علیہ السلام تشریف لائے سب نے توحید باری کا اعلان فرمایا سب کا پہلا کلمہ لا الہ الا اللہ تھا اور اس کے بعد اپنی رسالت کا اعلان کیا تھا اور جو احکام اللہ کی طرف سے انھیں موصول ہوئے ان کی اطاعت کا حکم تھا۔ تو وہ سارا ہی اسلام تھا آج بھی اسلام یہی ہے۔ اللہ کی توحید کا اقرار حضور ﷺ کی رسالت کا اقرار اور احکام شریعت کا اتباع۔ اللہ کا بندہ ہونے کا شرف مسلمان کو حاصل ہے لیکن زبانی کہہ دینا کہ میں مسلمان ہوں، اس میں اور مسلمان ہونے میں بڑا فرق ہے۔ اسلام تسلیم سے ہے، "سلم" اس کا مادہ ہے۔ مسلمان وہ ہے جو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے ہر حکم کا اتباع کرے، اطاعت کرے، تسلیم کرے اور عملی زندگی میں تسلیم کرے۔ اب جہاں جہاں سے وہ احکام الٰہی یا اتباع رسالت کو چھوڑتا ہے اُسے یہ احساس ہونا چاہیے کہ وہاں وہاں سے وہ اسلام کو چھوڑ رہا ہے۔ تو اختتام دن پر جب کوئی سونے کو جاتا ہے تو کاش کبھی کوئی یہ سوچے کہ فجر پر بیدار ہونے سے رات سونے تک میں نے کتنا اسلام اپنایا اور کتنا مجھ سے چھوٹ گیا۔

اگر ہم خود اپنی دن کی کارکردگی دیکھ لیں، اور ایک دن ایک ورق لے کر فجر سے عشاء تک جو کام کریں وہ لکھ لیں، جو بات کریں وہ لکھ لیں تو عشاء کے وقت ہم نظر ڈال کر دیکھ سکتے ہیں کہ اس میں اسلام کتنا ہے اور غیر اسلامی حرکات یا غیر اسلامی الفاظ کتنے ہیں۔

ہمارا تو عجیب سا معاملہ اور عجیب سا ماحول ہوگیا ہے۔ کافر بدنصیب ہیں، مشرک بدنصیب ہیں اور جنہوں نے بھی آقائے نامدار ﷺ کی رسالت کا اقرار نہیں کیا وہ بہت بدنصیب ہیں۔ اور کوئی بہت ہی بدبخت ہوتا ہے جس کی خطائیں جب بہت ہی بڑھ جاتی ہیں تو پھر وہ توہین رسالت پر آجاتا ہے۔ یہ انتہائے گناہ اور آخری جرم ہے جو زندگی میں کوئی بدبخت کرتا ہے۔ توہین رسالت مشرکین بھی کرتے تھے۔ مکہ مکرمہ میں عملاً بھی کرتے تھے زبانی طعن و تشنیع بھی کرتے تھے اور جھوٹ بھی بولتے تھے۔ طعنے بھی دیتے تھے، پتھر بھی مارتے تھے اور ایذا بھی دیتے تھے۔ اس کا جواب مسلمان کیا دیتے تھے؟ مسلمان اس کا جواب حرف بحرف اطاعت کرکے دیتے تھے۔ مدینہ منورہ میں بھی کچھ ایسے بدزبان تھے جن کی بدزبانی کو حضور ﷺ نے محسوس کیا تو مسلمانوں نے جان لڑا کر انہیں قتل کردیا۔ مدینہ منورہ میں کعب بن اشرف یہودی تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا اس کی باتیں حد سے بڑھ گئی ہیں کوئی ہے جو اس سے جان چھڑا دے۔ صحابہ کرامؓ نے اسے قتل کردیا حالانکہ وہ بہت محفوظ قلعے میں رہتا تھا۔ یہ جرم ہی ایسا ہے۔ فتح مکہ کے موقعہ پر سوائے چند افراد کے تمام اہل مکہ کو عام معافی دے دی گئی۔ گنتی کے کچھ لوگ تھے جو حضور ﷺ کے خلاف شعر کہتے۔ زبانی ایذا دینے کی کوشش کرتے یا بہتان تراشی کرتے تھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا اگر یہ لوگ حرم میں بیت اللہ کے پردوں سے بھی لپٹے ہوئے ہوں تو انہیں قتل کردیا جائے اور وہ قتل کیے گئے حالانکہ سارے شہر کو عام معافی دے دی گئی تھی۔

غور کرنے کا مقام یہ ہے کہ کوئی کافر توہین کرتا تو کیا صحابہ کرامؓ آپس میں لڑ پڑتے تھے، اپنی املاک جلا دیتے تھے؟ یہ کہاں سے آگیا، یہ محبت کی کون سی قسم ہے کہ آپ سڑکوں پر نکل جائیں، کسی کی گاڑی توڑ دیں، کسی کا دفتر جلا دیں، کسی کو آگ لگا دیں یا کسی کا گھر جلا دیں؟ ہم دعویٰ کرتے ہیں عشق رسول ﷺ اور محبت رسول ﷺ کا لیکن یہ کونسی محبت ہے؟ ٹیلی وژن پر مذاکرے ہوئے کئی دن سے یہ موضوع زیر بحث ہے۔ اہل مغرب پر ناقدین خود بڑی پر زور تنقید کر رہے ہیں کہ انہوں نے یہ کیا، وہ کیا لیکن یہ انہی کے لباس اور حلیے میں بیٹھے ہیں۔ یہ منطق میری سمجھ میں نہیں آتی کہ یہ تھری پیس سوٹ، ٹائی یہ ہمارا قومی لباس نہیں ہے۔ اب تو رواج ہوگیا ہے ضیاالحق مرحوم کو گالیاں دینے کا۔ حالانکہ جو بندہ دنیا سے گذر جاتا ہے وہ اپنا حصہ جو اس نے کیا، اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔ بھٹو صاحب ہوں یا ضیاءالحق صاحب ہوں اب مرنے کے بعد کسی کو بھلا برا کہنے کا حق نہیں ہے۔ حالانکہ دونوں دو انتہاؤں پر ہیں، دونوں کی آپس میں کوئی مناسبت نہیں ایک دوسرے کے خلاف ہیں لیکن دنیا سے گذر گئے ان کا معاملہ اللہ کے ساتھ ہے۔ اللہ جانے اس کی مخلوق جانے۔ وہ کریم ہے چاہے تو سب کو معاف کردے۔ وہ قہار ہے جسے پکڑ لے اس کی اپنی مخلوق ہے۔ ہمیں حق حاصل نہیں ہے کہ ہم مرنے کے بعد بھی کسی پر الزام تراشی کریں۔ یہ بے ہودگی ہم میں رچ بس گئی ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ جب ضیاءالحق زندہ تھے تو یہ صحافی اور یہ ہمارے فوجی اور سیاستدان جو آج اُن پر فتوے لگا رہے ہیں ان سب نے شیروانیاں بنائی ہوئی تھیں اور ٹوپیاں پہن کر نمازیں پڑھتے تھے۔ وضو کرتے تھے یا نہیں لیکن ان کے ساتھ نماز میں کھڑے ہو جاتے تھے۔ ان لوگوں میں یا تو یہ جرأت ہونی چاہیے تھی کہ وہ اپنی شیروانی پہنتے، یہ لوگ ٹائی سوٹ پہنتے پھر تو ٹھیک تھا۔ اب اہل مغرب پر، کفار پر، اس بدطینت انسان پر تنقید ہو رہی ہے اور حلیہ اسی کا ہے، لباس اسی کا ہے اور اس میں اہتمام بھی اتنا ہے ٹائی کی گرہ تک کی فکر ہے کہ اس میں کوئی کمی نہ

ہو، سلوٹ نہ ہو بعینہ ویسی ہو۔ اس قوم کی سمجھ نہیں آتی اس کا عشق کیسا ہے، اس کی محبت کیسی ہے؟ اللہ کی عبادات چھوڑ دیں گے، فرائض چھوڑ دیں گے، واجبات چھوڑ دیں گے، نماز روزہ تک چھوڑ دیں گے۔ رشوت کھائیں گے، حرام کھا رہے ہیں ایک دوسرے کو لوٹ رہے ہیں، عشق رسول ﷺ پتہ نہیں کون سے کونے میں ہے۔

یہ عشق رسول ﷺ نہیں ہے یہ لوگوں میں تماش بنی کا شوق ہے، شور شرابے کا شوق ہے۔ عشق تو ایک انمول نعمت ہے جسے عشاق ہمیشہ چھپاتے ہیں لیکن وہ چھپا نہیں کرتا۔ کوئی بھی عاشق جسے عشق ہو وہ اس کا اظہار نہیں چاہتا۔ وہ خود کو جلاتا ہے، جی کو جلاتا ہے، بات زبان پر نہیں لاتا۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ محاورہ بالکل درست ہے کہ عشق اور مُشک چھپائے نہیں چھپتے۔ عشق چھپتا نہیں ہے وہ عاشق کی اداؤں سے، اس کے کردار سے، اس کی گفتار سے ظاہر ہوتا ہے۔ ہمارا کون سا کردار ہے جس سے عشقِ رسول ﷺ ظاہر ہو۔ کیا ہم حرام سے رک جاتے ہیں حلال پر قناعت کرتے ہیں، کیا ہم جھوٹ چھوڑ چکے ہیں اور سچی بات کہتے ہیں؟ کیا ہم بڑوں کی عزت، چھوٹوں سے پیار کرتے ہیں، کیا ہمارے اخلاقیات وہ ہیں جو نبی کریم ﷺ نے تعلیم فرمائے؟ ان باتوں کا تعلق تو باطن سے ہے۔ باطن کی اصلاح تو بہت مشکل ہے مگر ظاہر پر تو کوئی زور نہیں لگتا۔ کیا ہمارا ظاہر بھی سنت کے مطابق ہے؟ تو اگر ہم ظاہر بھی درست نہیں رکھ سکتے تو عشق کی بات کہاں رہ گئی؟

میدان اُحد میں نبی کریم ﷺ زخمی ہو گئے، چہرہ انور زخمی ہو گیا، دندان مبارک شہید ہو گیا تو آپ ﷺ نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے۔ نبی کریم ﷺ یہ سمجھتے تھے کہ اللہ کے آخری رسول ﷺ کا دانت کسی نے شہید کیا ہے اور رخ اقدس کو زخمی کیا ہے تو اس پر ابھی عذاب آئے گا۔ اس زخمی حالت میں حضور ﷺ نے ہاتھ اٹھا دیئے **اللھم اغفر قومی فانھم لایعلمون** یا اللہ میری قوم سے درگزر فرما یہ جاہل ہیں، تیرے نبی کی عظمت سے نا آشنا ہیں یہ اپنے ایک قریشی بھائی محمد بن عبداللہ سے لڑ رہے ہیں تیرے رسول کی رسالت سے نابلد ہیں، انہیں معاف کردے۔ یعنی جنہوں نے زخمی کیا ان سے عذاب ٹلا رہے ہیں۔ ہمارا عشق کیسا ہے کہ ہم بھائیوں کی املاک جلا رہے ہیں۔ ہم سڑکوں پر آوارہ، ڈنڈے لے کر نکل گئے ہیں، راہ گذرتے مسافروں کی گاڑیاں توڑ رہے ہیں۔ ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں کہ بیمار گاڑی میں پڑا ہے وہ مر جائے گا۔ ٹریفک بند ہے، جلوس کھڑا ہے، شور ہو رہا ہے۔ مریض اسپتال تک نہیں جا سکتا۔ اتنا خطرہ ہے کہ آج پورے ملک کی موبائل سروس بند ہے، سارے ملک کی ٹرانسپورٹ بند ہے۔ مجھے یہ بتایا جائے کہ ملک کی ٹرانسپورٹ بند کرکے، موبائل سروس بند کرکے، لوگوں کی املاک کو آگ لگا کر اس ملعون کا کیا بگڑا جس نے یہ جسارت کی؟ شاید اس نے یہ جسارت کی ہی اس لیے ہو کہ مسلمانوں کو آپس میں دست و گریبان کیا جائے۔ اس طرح تو میرے خیال میں لوگ اس کا مقصد پورا کر رہے ہیں۔

قرآن کریم کی ان آیات میں اللہ کے بندوں کا ذکر چلا آ رہا تھا۔ ان کی صفات اور اللہ کے انعامات شمار کیے جا رہے تھے تو آگے اس کا ماحصل یا نچوڑ کہہ لیجئے اللہ کریم نے ایک آیہ کریمہ میں ارشاد فرمادیا کہ میرے بندے کون ہوتے ہیں۔ سب سے پہلی صفت ہوتی ہے۔ اَلتَّـآئِبُوْنَ توبہ کرتے رہتے ہیں۔ توبہ تو گناہ گار، گناہ سے کرتا ہے۔ جس سے خطا ہوتی ہے وہ خطا سے توبہ کرتا ہے۔ لیکن نیک نیکی کرکے توبہ کرتا ہے کہ یا اللہ میں نے نیکی تو کی ہے لیکن تیری بارگاہ کے لائق شاید ہے کہ نہیں، میں نے سجدہ تو کیا ہے اس میں کتنا خلوص ہے، کتنا درد دل ہے، کتنا خشوع وخضوع ہے وہ تیری بارگاہ کے لائق ہے کہ نہیں۔ کوئی اس سے بڑا عالم وفاضل ہو، دیندار ہو، عالم ربانی ہو وہ نیکی کرے، سجدہ بھی کرے پھر بھی استغفار کرتا ہے کہ یا اللہ مجھے معاف فرما کہ تو نے جتنی

نعمتیں، جتنے علوم، جتنے درجات مجھے دیئے ہیں میرا سجدہ اس کے مطابق ہے کہ نہیں۔ توبہ صرف گناہگار نہیں کرتا، توبہ ہر فرد کرتا ہے۔ حتٰی کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا جس کا مفہوم ہے کہ استغفار پڑھا کرو میں دن میں سو مرتبہ استغفار کرتا ہوں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم کس طرح کے مسلمان ہیں، ہم اور ہماری سوچیں کیا ہیں اور ہمارا کردار کیا ہے؟ ایک تو ہم میں یہ مصیبت بن گئی ہے کہ ہر تیسرا بندہ لیڈر بن گیا ہے۔ اب لیڈر پر اور رہنما پر نہیں رکتے اب ہر تیسرا بندہ قائد بن گیا ہے۔ کہیں یہ لفظ ان کے ہتھے چڑھ گیا ہے کسی نے محمد علی جناح کے نام کے ساتھ قائداعظم لگا دیا اب وہ لفظ قائد ان کے قابو آ گیا۔ اعظم تو کسی سے بنا نہیں جاتا وہ دم قابو آ گئی۔ ہر بندہ گلے میں وہ دم لپیٹے پھرتا ہے۔ ہر تیسرا بندہ اس قوم کا قائد ہے۔ اور عجیب بات ہے جن کو قائد، لیڈر، رہنما کہا جاتا ہے ان کا اپنا کوئی سر پیر نہیں نہ ان کی زندگی کا کوئی راستہ ہے، نہ طریقہ ہے۔ خاندانی زندگیاں ان کی تباہ ہیں، گھر ان کے بگڑے ہوئے ہیں۔ اس زمرے میں جو خواتین نظر آتی ہیں وہ مغرب زدہ ہیں۔ عورت کے وقار سے عاری، نہایت بیباکی اور جرأت سے سٹیج پر بیٹھی ہوتی ہیں کہ یہ فلاں پارٹی کی رہنما ہیں، یہ فلاں پارٹی کی رہنما ہیں۔ کوئی ان سے پوچھے کہ گھر ان کے اجڑ گئے، شوہر ادھر اُدھر جھک مارتے پھر رہے ہیں، بچے کہیں آوارہ ہو گئے اور یہ میک اپ زدہ یہاں بیٹھی ہیں، رہنما بن گئی ہیں۔ جو اپنا گھر سنبھال نہیں سکتے وہ قوم کے رہنما بن گئے۔ قوم کو رہنماؤں کی نہیں کام کرنے والوں کی ضرورت ہے۔ رہنما تو ہمارے لیے محمد رسول اللہ ﷺ کافی ہیں۔ ہمارے رہنما محمد رسول ﷺ ہیں، ہمارے رہنما صحابہ کرامؓ ہیں جن سے ہمیں قرآن، حدیث اور حضور ﷺ کی ایک ایک ادا پہنچی۔ ہمارے رہنما تابعینؒ، تبع تابعینؒ اور قیامت تک ہمارے رہنما علماء ربانیین ہیں۔ اللہ کے وہ بندے جو اللہ کی بات ہم تک پہنچائیں، اللہ کے نبی کی بات اور وہ کیفیات ہم تک پہنچائیں، وہ لذتیں ہمارے دل کو بھی نصیب ہوں جو حضور اکرم ﷺ کے تعلق سے نصیب ہوتی ہیں۔ ان کے سوا کسی کو رہنما کہلانے کا حق نہیں ہے۔ ہرا ایرا غیرا رہنما نہیں۔ جو خود راہ گم کردہ ہے وہ دوسروں کا رہنما کیسے ہو؟ جن لوگوں کی زندگی کا کوئی سر پیر نہیں، کوئی پتہ نہیں چلتا یہ مسلمان ہیں، عیسائی ہیں، یہودی ہیں، جن کا کردار یہ نہیں بتاتا یہ مسلمان ہیں وہ رہنما بنے بیٹھے ہیں۔ حضرت رحمتہ اللہ علیہ کئی بار فرمایا کرتے تھے کہ آج اگر صحابہ کرامؓ میں کسی کو اللہ مہلت دے اور وہ دنیا میں آ کر مسلمانوں کو دیکھیں تو وہ کہیں یہ جو خود کو مسلمان کہتے ہیں یہ پاگل ہیں کیا، مسلمان ایسے ہوتے ہیں؟ یہ بات اللہ کریم نے بتائی کہ میرے بندے تو وہ ہوتے ہیں اَلتَّآئِبُوْنَ ہمہ وقت توبہ کرتے ہیں۔ اللہ کی اطاعت کرتے ہیں اللہ کے نبی کا اتباع کرتے ہیں، اللہ کا ذکر کرتے ہیں، رکوع و سجود کرتے ہیں، قرآن کی تلاوت کرتے ہیں، حلال کماتے ہیں، غریبوں کی مدد کرتے ہیں، ماں باپ بہن بھائی، اولاد کا خیال رکھتے ہیں، اڑوس پڑوس کے غرباء کی خدمت کرتے ہیں پھر بھی توبہ کرتے ہیں کہ یااللہ شاید حق ادا نہ ہوا ہو۔

رات میرے پاس ایک ای میل تھی اور یہی سوال تھا کہ حدیث شریف میں ارشاد ہے حضور ﷺ نے فرمایا میں سو بار استغفار کرتا ہوں۔ توبہ تو گناہ سے کی جاتی ہے تو حضور ﷺ کیوں کرتے تھے؟ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ لوگ سوچتے کیسے ہیں، کیا سوچتے ہیں؟ میں نے اُسے تو مختصر سا جواب دیا۔ کہ توبہ عبادات میں سے ہے اور عبادت انبیاء بھی کرتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ رات کو نوافل ادا فرما رہے تھے۔ حبیبۂ کبریا ام المومنین حضرت عائشہ الصدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ کبھی کبھی حضور ﷺ فرماتے اے ابوبکر کی بیٹی! آج رات میں عبادت نہ کروں۔ میں عرض کرتی حضور ﷺ ضرور کیجیے۔ حضور ﷺ کے در اقدس پر بعض

حجرۂ مبارک میں تو ایک گدا ہوتا تھا جس میں کھجور کے پتے ہوتے تھے اور بعض حجرات مبارکہ میں ایک کمبل ہوتا تھا جو نیچے بچھا لیتے، سردیاں ہوتیں تو آدھا اوپر لے لیتے۔ تو فرماتی ہیں میں سونے کے لیے اس کمبل پر لیٹ جاتی اور حضور ﷺ اسی کمبل پر ایک طرف کھڑے ہو جاتے۔ نماز پڑھ رہے ہوتے تو میں اپنی ٹانگیں پھیلائے رکھتی جب حضور ﷺ نے رکوع و سجود کرنا ہوتا تو میں پاؤں سمیٹ لیتی وہاں حضور ﷺ کھڑے ہوئے تو اتنا طویل قیام فرمایا، کھڑے کھڑے اتنی دیر ہوگئی کہ میں نے سمجھا کہ آج رات آپ ﷺ رکوع نہیں کریں گے۔ اشک مبارک رواں ہو گئے، داڑھی مبارک تر ہونا شروع ہوگئی۔ حتیٰ کہ ریش مبارک سے اشک مبارک سینہ اطہر ﷺ پر ٹپکنے لگے۔ پھر حضور ﷺ نے رکوع کیا۔ اتنا طویل رکوع تھا کہ میں سمجھی کہ آج باقی رات شاید رکوع میں گزار دیں گے۔ پھر سجود فرمایا تو وہ بھی اسی طرح طویل تھا۔ فارغ ہونے تک قدوم مبارک متورم ہو گئے۔ جب آپ ﷺ فارغ ہو گئے فرماتی ہیں میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! آپ اتنی محنت کیوں فرماتے ہیں کہ قدم مبارک متورم ہو گئے، سینہ اطہر آنسوؤں سے بھیگ گیا، ریش مبارک تر ہوگئی۔ آپ ﷺ کے طفیل تو ساری دنیا بخشی جائے گی۔ آپ شافع محشر ہیں، اللہ کی مخلوق آپ کے طفیل بخشی جائے گی۔ آپ ﷺ اتنی مشقت فرما رہے ہیں؟ تو فرمایا اگر اللہ کا مجھ پر یہ احسان ہے افـــــلا اکـون عبـدا شکورا او کمال قال رسول اللہ ﷺ کہ اللہ نے مجھے یہ منصب دیا ہے پھر میں اس کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔ اگر اللہ نے مجھے شافع محشر کا عالی رتبہ دیا ہے تو مجھ پر تو مزید شکر واجب ہو گیا۔ تو حضور ﷺ کا استغفار ادائے شکر کا حصہ ہے۔ بعض علماء نے ایک تاویل کی ہے کہ چونکہ ہر آن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقامات و منازل بلند ہوتے رہتے تھے ہر آن ہر لحظہ، ہر گھڑی ترقی درجات ہوتی رہتی تھی تو پہلے درجے کو دیکھ کر حضور ﷺ استغفار کرتے تھے لیکن یہ کوئی دلیل نہیں ہے۔ پہلا درجہ بھی کوئی اختیاری نہیں تھا کہ حضور ﷺ نے اپنی پسند سے اختیار کیا ہو یا دوسرا اختیاری تھا۔ پہلا مرتبہ بھی ربّ کریم کی طرف سے تھا اور جو اس پر بڑھا دیا گیا ہے وہ بھی ربّ کریم کی طرف سے تھا۔ تو یہ دلیل اپنے اندر وزن نہیں رکھتی یا میری نظر میں وزن نہیں رکھتی۔ اصل بات یہ ہے کہ ادائے شکر کا ایک حصہ استغفار بھی ہے کہ یا اللہ تیری نعمتیں تو اتنی ہیں کہ جتنا بھی میں شکر ادا کرتا ہوں اس میں کمی رہ جائے گی، حق ادا نہیں ہوگا۔ اس کمی کو استغفار پورا کرتی ہے کہ یا اللہ! میں بندہ ہوں، تو رب العالمین ہے۔ میں اتنا ہی کر سکتا ہوں جتنا بندہ کر سکتا ہے، تیری عطا اتنی ہے جتنی رب دے سکتا ہے۔ تو اس کا کوئی مقابلہ موازنہ نہیں۔ اب اگر یہ عالم محمد رسول اللہ ﷺ کی ہستی کا ہے جو شافع محشر ہیں تو کبھی ہم نے بھی اس رخ سے استغفار کیا ہے، کبھی ہم نے بھی کوشش کی ہے؟ فرمایا، میرے بندوں کی سب سے پہلی نشانی یہ ہوتی ہے کہ وہ میری اطاعت کرتے ہیں، میرے نبی ﷺ کا اتباع کرتے ہیں، حلال کھاتے ہیں، سچ بولتے ہیں، رات دن نیکی کرتے ہیں پھر توبہ بھی کرتے ہیں، اَلتَّآئِبُوْنَ ہمیشہ توبہ کرتے ہیں، استغفار کرتے رہتے ہیں۔

شاید یہ بات، یہ تقریر شام کو paltalk پر نشر ہو جائے گی تو اس ساتھی کو جواب مل جائے گا جس کی ای میل (email) تھی۔ انٹرنیٹ کا درست استعمال بھی نعمت ہے۔ یہ بھی اللہ کا شکر ہے۔ چیزوں کے وجود میں کچھ برائی نہیں ہوتی۔ کمپیوٹر یا ٹی وی توڑنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ یہی کمپیوٹر سکرین ہم ذکر کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ بات استعمال کی ہوتی ہے۔ ایک فوجی یا ایک مجاہد کے ہاتھ میں کلاشنکوف نیکی کے لئے ہوتی ہے اور چور کے ہاتھ میں چوری اور ڈاکو کے ہاتھ میں ڈاکے کے لیے ہوتی ہے تو کلاشنکوف توڑنے کا فائدہ نہیں ہے۔ بات اس کے

استعمال کی ہے۔ اسی طرح ٹی وی، کمپیوٹر توڑنے کا فائدہ نہیں ہے، بات اس کے استعمال پر ہے۔ آپ سارا دن انگریزی فلمیں نہ لگائیں بلکہ اس پر بچوں کو تعلیم دیں، بڑوں کو تعلیم دیں، تجوید قرآن سکھائیں، روزہ مرہ کے شرعی مسائل بتائیں، اس کا درست استعمال کریں۔ تو الحمدللہ ہمارے ہاں کمپیوٹر کا یہ فائدہ ہے جو میں یہاں بیان کر رہا ہوں یہ بیان رات تک پوری دنیا میں پھیل جائے گا۔ جو لوگ سننا چاہیں گے وہ سن لیں گے۔

تو پہلی بات یہ رکھی کہ میرے بندے اَلتَّآئِبُوْنَ توبہ کرتے ہیں۔ یا اللہ گناہ کرتے ہوں گے پھر توبہ کرتے ہوں گے۔ فرمایا نہیں اَلتَّآئِبُوْنَ گناہ کرنے والے نہیں ہوتے عبادت کرنے والے ہوتے ہیں۔ عبادت کا مفہوم ہے اطاعت، آپ کمانے سے لے کر خرچ کرنے تک، دوستی سے دشمنی تک جو کام اللہ کی اطاعت میں کرتے ہیں وہ عبادت ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا مومن اپنے بچوں کو جو کھانا کھلاتا ہے وہ بھی عبادت ہے، اس کا صدقہ شمار ہوتا ہے۔ عرض کی گئی یارسول اللہ! یہ تو اس کی ذمہ داری ہے، اس پر واجب ہے۔ تو فرمایا جو واجب ہے اس پر عمل کرنا ہی تو عبادت ہے۔ عبادت بھی تو یہی ہے کہ جس بات کا حکم دیا گیا ہے اس پر عمل کریں۔ تو فرمایا میرے بندے میرے ہر حکم پر عمل کرنے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں۔ سچ بولتے ہیں، حلال کھاتے ہیں، نیکی کرتے ہیں اَلْعٰبِدُوْنَ عبادت کرنے والے ہوتے ہیں لیکن ساتھ توبہ کرتے رہتے ہیں۔ اَلْحٰمِدُوْنَ میری حمد بیان کرتے ہیں، میری تسبیحات بیان کرتے ہیں، میری بڑائی بیان کرتے ہیں، میرا ذکر کرتے ہیں۔ اَلسَّآئِحُوْنَ روزے رکھتے ہیں۔ میری رضا کے لئے روزے رکھتے ہیں۔ رمضان فرض ہے، وہ بغیر رمضان کے بھی رکھتے ہیں کبھی نفلی روزے رکھتے ہیں۔ اور جو نفلی روزے رکھتے ہیں وہ فرض کو کب چھوڑیں گے۔ اَلرّٰکِعُوْنَ میری بارگاہ میں رکوع کرتے ہیں

نمازیں نہیں چھوڑتے۔ اَلسّٰجِدُوْنَ میری بارگاہ میں سربسجود ہوتے ہیں اور یہیں پر بس نہیں کردیتے اَلْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ بھلائی کی تبلیغ کرتے ہیں، بھلائی کا حکم دیتے ہیں، بھلائی کو عام کرتے ہیں اور برائی کو روکتے ہیں۔ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ اور اللہ کی حدود کی حفاظت کرتے ہیں، صرف عمل نہیں کرتے احکام الٰہی کی حفاظت کرتے ہیں۔ معاشرے میں ایسا ماحول بنا دیتے ہیں کہ حدود الٰہی پر عمل کیا جائے۔ اور اس کے باوجود فرمایا اَلتَّآئِبُوْنَ۔ کیونکہ توبہ خود عبادت کا ایک حصہ ہے اور عبادات انبیاء بھی کرتے ہیں صحابہ بھی کرتے ہیں علماء بھی کرتے ہیں اولیاء بھی کرتے ہیں۔ فرمایا وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ اے میرے حبیب ﷺ ایمان والوں کو خوشخبری دے دیجئے۔ اب یہاں کسی کا نام نہیں ہے کوئی فہرست نہیں ہے، صرف شرائط دی گئیں ہیں، حلیہ دیا گیا ہے۔ جو اپنے آپ کو ان شرائط میں fit کر لے، اپنے آپ میں ان شرائط کو پورا کر لے، ان کے مطابق اپنی زندگی بنا لے اسے اللہ کی طرف سے بشارت مل گئی۔ قیامت کے فیصلے تو جب ہوں گے سو ہوں گے یہ فیصلہ تو آج مل گیا۔ بندے کے اپنے ذمے ہے کہ وہ اپنے آپ کو تلاش کرے کہ وہ کہاں ہے۔ کیا وہ اللہ سے توبہ کرتا ہے، کیا وہ اللہ کی عبادت کرتا ہے، اللہ کی تسبیح و تحمید کرتا ہے، کیا وہ روزے رکھتا ہے، کیا وہ رکوع کرتا ہے، کیا وہ سجدے ادا کرتا ہے، کیا وہ برائی سے روکتا اور نیکی کا حکم کرتا ہے اور اللہ کے احکام کی حفاظت کرتا ہے اور ان پر پوری طرح سے عمل کرتا ہے؟ اگر ایسا ہے تو پھر اُسے بشارت مل گئی۔ اس کا فیصلہ تو نہیں ہو گیا، اُسے تو خوشخبری مل گئی کہ جنت اس کا حق ہے، اللہ نے اُسے عطا کر دی۔ بخشش اُسے نصیب ہوگئی، دوزخ سے وہ بچ گیا، لیکن میرے بھائی ہمیں دیکھنا یہ ہوگا کہ میں ذاتی طور پر ان شرائط کے مطابق ہوں یا نہیں۔ جو زندگی گزر گئی وہ تو گزر گئی۔ گزرا ہوا وقت واپس نہیں لایا

جا سکتا لیکن جو لمحات ہمارے پاس زندگی کے باقی ہیں عشقِ رسول ﷺ کا تقاضہ یہ ہے کہ ان لمحات کو دلی محبت کے ساتھ اتباع رسول اللہ ﷺ میں خرچ کریں۔ حکومت نے بھی بڑا تیر مارا کہ ملک کو ایک دن کی تعطیل دے دی۔ شاید ہم نہیں سمجھ سکتے کہ ایک دن کی چھٹی سے ملکی سطح پر کتنا نقصان ہوتا ہے۔ اگر ایک دن کاروبار روک دیا جائے، بند کیا جائے تو کھربوں کا نقصان ہوتا ہے۔ ہمارے لئے تو وہی کافی تھا جو انہوں نے اتوار کے ساتھ ہفتے کی بھی چھٹی کر دی۔ اب یہ مزید ان کے پاس یہی تیر تھا حالانکہ ان کے پاس تو سیاسی پلیٹ فارم ہے۔ چھٹی کے بجائے آل پارٹیز کانفرنس بلائی جاتی جس میں تمام سیاستدانوں کو اکٹھا کر کے تمام دینی سیاسی جماعتوں کو بلا کر سب کے سامنے بات کی جاتی۔ یہ بات سب کے سامنے رکھی جاتی کہ سب ایک متفقہ قرارداد پاس کرو، اسے جا کر uno کے سیکرٹری جنرل کو دو کہ بھئی یہ کیا بات ہے اور اس طرح کیوں کیا جاتا ہے۔ ایک بین الاقوامی ضابطہ بنایا جائے کہ کسی بھی نبی کی کوئی بھی شخص توہین نہیں کرے گا اور کرے گا تو اسے یہ سزا ملے گی۔ امریکہ میں اگر کوئی اس طرح کی فلم کسی پرانے امریکی صدر کے خلاف بھی بنا دے جو مر کر گذر گئے مثلاً جارج واشنگٹن کے خلاف بنا دے، ابراہیم لنکن کے خلاف بنا دے تو کیا اُسے امریکہ tolerate کرے گا؟ حالانکہ امریکی صدور کوئی دینی شخصیات تو نہیں، نہ اس کے بانیان مسلمان تھے نہ ان کا ادب لازم تھا۔ یہ کیسی عجیب بات ہے، کیوں اس ملک کا شہری اس طرح کرے اور وہ لوگ اُسے نہ پوچھیں۔ مسلمان ممالک 55 یا 56 کی تعداد میں ہیں۔ سب اپنے اپنے ملک میں اپنی اپنی قوم کو اکٹھا کر کے قرارداد پاس کریں پھر سارے متفقہ اجلاس کریں۔ 56 ملک ایک طرف کھڑے ہو جائیں کہ یہ نہیں ہونے دیں گے تو کون ایسا کر سکتا ہے؟ لیکن یہاں جس طریقے سے احتجاج ہوا یہ کون سا طریقہ ہے؟ امریکہ کا یا اس بکواس کرنے والے کا کیا بگڑا؟ حکومت کو بھی چاہیے کہ اس قوم کو سمجھائیں اور اسے چاہیے کہ پہلے خود سمجھے۔ یہ فضول حرکات ویسے ہی نہیں ہوتیں یہ حرکات لوگ جان بوجھ کر کرتے ہیں اور وہ ٹمپریچر چیک کرتے رہتے ہیں کہ ان میں ابھی کتنی جان باقی ہے۔ جیسے قصاب جانور کو ذبح کرتا ہے پھر الٹی چھری سے اس کے ٹخنے ٹھکورتا ہے۔ اگر وہ ٹانگ کھینچتا ہے تو تھوڑی دیر رک جاتا ہے کہ ابھی کھال نہیں اتارنا۔ پھر تھوڑی دیر بعد ٹھکورتا ہے اگر وہ ٹانگ نہیں ہلاتا تو پھر وہ کھال اتارنے لگ جاتا ہے۔ تو یہ کفار مسلمانوں کے ٹخنے ٹھکور رہے ہیں کہ ذبح تو ہم نے انہیں کر دیا ہے انہوں نے لباس ہمارا پہن لیا، بیٹیاں ہماری طرح آوارہ کر دیں، بچے ہماری طرح آوارہ کر دیئے، یہ سارا دن ہماری فلمیں دیکھتے ہیں یہ ہمارے گانے سنتے ہیں۔ ذبح تو ہو چکے یا ابھی کچھ جان باقی ہے، کھال اتاریں یا نہیں۔ اس طرح وہ ٹخنے ٹھکورتے ہیں تو آپ پھڑکنے لگ جاتے ہیں، وہ کہتے ہیں نہیں ابھی تھوڑی دیر اسے رہنے دو پھر اگلے سال دیکھیں گے۔ غیرت ایمانی کا تقاضہ یہ ہے کہ آپ محمد رسول اللہ ﷺ کے سراپا غلام بن جائیں۔ آپ کو احتجاج کرنا ہے تو آپ حلیئے سے لے کر دل تک اور ظاہر سے لے کر باطن تک محمد رسول اللہ ﷺ کے غلام بن کر جواب دیجیے کہ لو بھئی تم نے یہ کیا تھا ہم یہ کر رہے ہیں۔ آپ انہیں عملاً مسلمان نظر آئیں۔ آپ اپنے ملک سے ظلم ختم کر دیں، رشوت ختم کر دیں، چور بازاری ختم کر دیں، لوٹ مار ختم کر دیں، حلال روزی کمائیں اور اپنے ساتھ دوسروں کو بھی پالیں تا کہ وہ یہ جرأت ہی نہ کر سکیں۔ اللہ کریم ہمیں ہدایت بھی دے، توفیق عمل بھی اور ہمارے گذشتہ گناہوں کو معاف بھی فرمائیں۔ آئندہ جو خطائیں ہوں ان کی بھی توبہ قبول فرمائیں۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْن.

بچوں کا صفحہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام

تحریر: اے خان

جی ہاں، حضرت ابراہیم علیہ السلام عراق میں پیدا ہوئے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام جس قوم میں پیدا ہوئے وہ لوگ ستاروں کے علم میں بہت ماہر تھے۔ اس علم میں ماہر ہونے کے ساتھ وہ ستاروں اور بتوں کی عبادت بھی کرتے تھے۔ بچو! آپ کو پتہ ہے نا کہ ہر نبی پیدائشی طور پر نبی ہوتا ہے اور اُن کی حکمت و دانائی بھی عام لوگوں سے ہزاروں کروڑوں گنا زیادہ ہوتی ہے۔ سو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی اپنی قوم کے لوگوں کو بے جان ستاروں اور بتوں کی عبادت کرتا دیکھ کر بہت افسوس ہوتا اور وہ بہت بچپن ہی سے لوگوں کو ستارہ پرستی اور بت پرستی سے منع فرماتے تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد آزر نہ صرف بتوں کی پوجا کرنے والے تھے بلکہ بت بناتے بھی تھے۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی قوم کے لوگوں کو بت پرستی سے منع کرتے تو آپ کے والد بہت ناراض ہوتے تھے۔ ایک دن بستی کے تمام لوگ کسی میلے یا تہوار میں شریک ہونے کے لیے گئے ہوئے تھے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک بڑے بت کے علاوہ تمام چھوٹے بت توڑ دیئے۔ جب لوگ واپس آئے تو ایک بڑے بت کے علاوہ تمام بت ٹوٹے ہوئے دیکھ کر وہ بہت ناراض ہوئے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کس نے توڑے ہیں؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا اس بڑے بت سے پوچھو، اسی نے توڑے ہوں گے۔ لوگ بڑے بت سے کیا پوچھتے، وہ جانتے تھے کہ یہ بولنا تو دور کی بات، اپنی جگہ سے ہل بھی نہیں سکتا۔ لوگ دل میں شرمندہ اور اپنی نادانی پر حیران تو ہوئے لیکن چونکہ فوراً توبہ نہیں کی تو وہ نادانی اور کفر پھر غالب آ گیا۔ اس وقت بادشاہ نمرود کی حکومت تھی جو لوگوں میں اپنے آپ کو خدا کہلواتا اور اپنے آپ کو لوگوں سے سجدے کرواتا تھا۔ وہ کہتا کہ زندگی اور موت میرے ہاتھ میں ہے۔ میں جس شخص کو قتل کرنے کا حکم دیتا ہوں وہ مار دیا جاتا ہے اور جس کو چھوڑ دینے کا حکم دیتا ہوں اُس کی جان بچ جاتی ہے۔ اس طرح سے وہ سمجھتا کہ زندگی اور موت اُس کے ہاتھ میں ہے۔ اس کے اس دعویٰ پہ حضرت ابراہیم علیہ السلام فرمانے لگے کہ میرا رب تو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو مغرب سے نکال کر دکھا۔ اس پر وہ حیران رہ گیا کیونکہ وہ تو ایسا کچھ بھی کرنے کی طاقت نہیں رکھتا تھا۔ لیکن شرمندہ ہو کر توبہ کرنے کی بجائے نمرود اور قوم کے لوگوں نے سوچا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بتوں کو توڑنے کی سزا کے طور پر زندہ جلا دیا جائے۔ اس مقصد کے لیے ایک بہت بڑی آگ بھڑکائی گئی۔ کئی دن تک لوگ اس میں لکڑیاں اور ایندھن بھرتے رہے۔ وہ آگ اتنی تیز تھی کہ اس کے دور دور بھی کھڑا نہیں ہوا جاتا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بہت دور سے ایک جھولا نما چیز کے ذریعے اس میں پھینکا گیا۔ جب آپ کو آگ کی طرف پھینکا جا چکا تھا تو راستے میں حضرت جبریلؑ تشریف لائے کہ میرے لیے کیا حکم ہے؟ آپ نے اُن سے کوئی مدد لینے کی بجائے فرمایا کہ میرا اللہ میرے حال سے واقف ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے آگ کو حکم دیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا۔ علماء فرماتے ہیں کہ اگر ''سلامتی والی'' نہ فرمایا ہوتا تو وہ اتنی ٹھنڈی ہو جاتی کہ وہ بھی شاید برداشت نہ ہوتی۔ لیکن یوں آگ بظاہر تو بھڑکتی رہی لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے بہار کی مانند ہو گئی۔ اس آگ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔

اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام، اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنی بیوی حضرت حاجرہ اور بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ وہاں سے ہجرت کر گئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو حضرت اسماعیل علیہ السلام جیسا چاند سا بیٹا عطا فرمایا۔ ان کو آپؑ اللہ تعالیٰ کے حکم سے مکہ لے

گئے۔ جب آپ اپنی بیوی صاحبہ اور بیٹے کو وہاں چھوڑ کر واپس مڑنے لگے تو آپ کی بیوی صاحبہ نے پوچھا کہ آپ ہمیں یہاں کیوں چھوڑ کر جا رہے ہیں؟ آپ نے جب انہیں بتایا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ ایسا کر رہے ہیں تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی فرماں بردار بندی کی طرح کہا پھر ٹھیک ہے، ہمارا رب ہمیں ضائع نہیں کرے گا۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام واپس تشریف لے گئے تو کچھ دیر بعد حضرت اسماعیل علیہ السلام پیاس کی وجہ سے رونے لگے۔ حضرت حاجرہ پانی کی تلاش میں قریب ہی موجود دو ٹیلوں (صفا اور مروہ) پر چڑھ کر دیکھتیں کہ شاید قریب کہیں پانی موجود ہو تو اپنے چند ماہ کے بیٹے کے لیے لے کر آئیں۔ کبھی ایک ٹیلے پر چڑھتیں تو ان کے رونے کی آواز پر بے چینی سے بھاگ کر نیچے آ جاتیں۔ پھر دوسرے ٹیلے پر چڑھ کر دیکھتیں لیکن حضرت اسماعیل علیہ السلام کے رونے کی آواز پر پھر بھاگ کر ٹیلے سے نیچے آ جاتیں۔ اللہ تعالیٰ کو حضرت حاجرہ کی یہ کوشش اتنی پیاری لگی کہ قیامت تک آنے والے لوگوں کے لیے صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا حج کا ایک رکن بنا دیا۔ پھر ایک دفعہ حضرت حاجرہ جب حضرت اسماعیل علیہ السلام کے رونے کی آواز پر آپ کے پاس آئیں تو دیکھا کہ جہاں آپ روتے ہوئے پاؤں رگڑ رہے تھے وہاں سے ایک پانی کا چشمہ پھوٹ نکلا ہے۔ حضرت حاجرہ نے فرمایا "زم زم" یعنی "رک جا" اور اس پانی کے گرداگرد ایک بند سا بنا دیا تا کہ پانی بہہ بہہ کر ضائع نہ ہو۔ پھر جلد ہی پانی کی وجہ سے وہاں لوگوں کے قافلے آ کر رکنے لگے اور قافلے کے کچھ لوگ وہاں آباد ہو جاتے اور وہاں ایک چھوٹی سی بستی آباد ہو گئی اور اس طرح

حضرت حاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے لیے اللہ تعالیٰ نے کھانے کا بھی بندوبست فرما دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی بیوی صاحبہ اور پیارے بیٹے کی خبر گیری کے لیے وہاں آتے رہتے تھے۔ جب حضرت اسماعیل علیہ السلام کچھ بڑے ہوئے اور بھاگنے دوڑنے کی عمر کو پہنچے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب دیکھا کہ وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کر رہے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنا یہ خواب حضرت اسماعیل علیہ السلام کو سنایا تو وہ فرمانے لگے کہ نبی کا خواب بھی وحی ہوتا ہے اس لیے آپ کو جو حکم ہوا ہے آپ ایسا ضرور کیجئے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام اگرچہ اس وقت بچے تھے لیکن بچو! جیسا کہ آپ کو پہلے بھی بتایا جا چکا ہے کہ ہر نبی پیدائشی طور پر نبی ہوتا ہے اور اُن کی حکمت و دانائی کا اندازہ عام انسان تو کر ہی نہیں سکتا۔ سو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ساتھ لیا تا کہ خواب کے ذریعے انہیں جو حکم ملا ہے اسے پورا کر سکیں۔ یہاں ایک بے حد اہم بات کی وضاحت کر دینی چاہیے کہ وہ حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نبیؑ کے لیے تھا۔ اب ہمارے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ کے بعد کوئی نیا نبی تشریف نہیں لائے گا۔ اس لیے اب اگر کوئی کہے کہ میں نے ایسا کوئی خواب دیکھا ہے تو وہ ہرگز ہرگز قابل عمل نہیں۔ کیوں بھلا؟ کیونکہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی مبارک زندگی کے دوران میں ہی دین کے مکمل ہو جانے کی آیت مبارک نازل فرما دی تھی یعنی کہ آپ ﷺ کے وصال کے بعد کوئی شخص دین میں نہ کوئی نئی چیز اپنی مرضی سے داخل کر سکتا ہے اور نہ ہی نکال سکتا ہے، چاہے وہ اپنے آپ کو کتنا ہی نیک اور پارسا کہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام جب اللہ تعالیٰ کے حکم کو پورا کرنے کے لیے جا رہے تھے تو شیطان نے تین دفعہ راستے میں انہیں اللہ تعالیٰ کا حکم پورا کرنے سے روکنے کی کوشش کی۔ ہر دفعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام انہیں پتھر مار کر بھگا دیتے۔ اب یہ حج کا ایک رکن ہے جسے "رمی جمرات" کہتے ہیں۔ ہمارے پیارے نبی ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس سنت کو حج کے موقعہ پر ادا کیا۔ اور اب قیامت تک آپ ﷺ کا ہر امتی اس سنت کو حج کے موقع پر ادا کرتا رہے گا۔ جس جگہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو قربان کرنا تھا، وہاں پہنچ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی آنکھوں پر ایک کپڑا باندھ لیا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو لٹا کر چھری چلا دی۔ جب آنکھوں سے پٹی ہٹائی تو یہ دیکھ کر حیران ہوئے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام تو ایک طرف کھڑے ہیں اور چھری کے نیچے ایک دنبہ ذبح ہوا پڑا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو اطلاع دی گئی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف سے قربانی قبول فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اس جذبے کو قبول فرمایا اور آپ پر بے حد و حساب رحمتیں اور برکات نازل

فرمائیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر قربانی کے اس موقع پر اس قدر بر کات اور رحمتیں اُتریں کہ ہمارے پیارے نبی ﷺ نے بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس سنت مبارک کو اختیار کیا اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جانور ذبح کیے۔ قیامت تک حضرت محمد ﷺ کے امتی بھی اس سنت مبارک کو ادا کرتے رہیں گے۔ بچو! اس سنت کا کوئی بھی بدل نہیں، اگر ایک مسلمان قربانی کرنے کی ہمت رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی اُن رحمتوں، بر کتوں اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کو پانے کے لیے قربانی ضرور کرنی چاہیے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل اللہ (اللہ تعالیٰ کا دوست) اور حنیف (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف یکسو ہو کر متوجہ رہنے والا) جیسے خوبصورت نام عطا فرمائے۔

بچو! جیسا کہ آپ کو پہلے بھی ایک جگہ بتایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام مکہ شریف میں جہاں انھوں نے حضرت حاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو چھوڑا تھا تشریف لاتے رہتے تھے۔ ایک دفعہ آپؑ تشریف لائے تو آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خانہ کعبہ کی دوبارہ تعمیر کا حکم ہوا کیونکہ طوفانِ نوح میں خانہ کعبہ کی عمارت گر گئی تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے مل کر خانہ کعبہ کی عمارت کی تعمیر فرمائی۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام پتھر لاتے جاتے تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک سفید رنگ کے بڑے پتھر پر کھڑے ہو کر خانہ کعبہ کی عمارت کی تعمیر کرتے جاتے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے جیسے جیسے دیوار اونچی ہوتی جاتی تھی، پتھر خود بخود اونچا ہوتا جاتا تھا اور جہاں آپ پہنچنا چاہتے اور جس طرح کی دیوار بنانا ہوتی وہ پتھر دیوار کے ساتھ ساتھ چلتا رہتا تھا۔ آپؑ کے پاؤں مبارک کے نشان اس پتھر میں دو ڈھائی انچ گہرے ہیں اور آج بھی مسلمانوں کی زیارت کے لیئے یہ پتھر بیت اللہ شریف کے سامنے ایک شیشے کے box میں بند رکھا ہوا ہے۔

رزق حلال عین عبادت ہے

العروج

انٹرنیشنل ٹریولز P.S.A

ارشاد نبوی ﷺ

حج وعمرہ کرنے والا کبھی غریب نہ رہے گا۔

☆ زیارت حرمین شریف کیلئے ویزہ عمرہ حاصل کریں۔

☆ اکانومی اینڈ سٹار ہوٹلز پیکج دستیاب ہے۔

☆ احباب سلسلہ کو گروپ بنا کر بھی بھجوایا جاسکتا ہے۔

☆ حج کا ارادہ رکھنے والے حضرات ابھی سے پاسپورٹ جمع کرواسکتے ہیں

ایڈوانس بکنگ جاری ہے

العروج

انٹرنیشنل ٹریولز P.S.A عبداللہ چوک ٹوبہ ٹیک سنگھ

Ph: 0462-51159,512559 Fax: 0462-510559

Mob: 0334-6289958

E-mail:alarooj@hotmail.com

پروپرائیٹر

حافظ حفیظ الرحمن

قارئین اپنی صوابدید سے معاملہ کریں۔ ادارہ کسی قسم کی ضمانت سے مستثنیٰ ہے۔

شیخ المکرم کی مجلس میں سوال اور ان کے جواب

24-06-2012 (گذشتہ سے پیوستہ)

فرمایا.... چیست دنیا از خدا غافل بودن......

دنیا کیا ہے اللہ کو بھول جانے کا نام دنیا ہے۔

نے قماش و نقرہ و فرزند و زن ۔

رزق کا ہونا، بیوی بچوں کا ہونا، کاروبار کا ہونا دنیا نہیں ہے لیکن یہی جب اللہ کریم کو بھلا دے، گناہ کی طرف لے جائے تو پھر یہی دنیا بن جاتی ہے۔

سادہ سی بات ہے وہ جو چاہے کرے کسی کو اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اس کی اپنی مخلوق ہے، اس نے خود پیدا فرمائی اور اس کے ساتھ جو سلوک چاہے کرے کسی کو اعتراض کا حق نہیں ہے۔ لیکن اس کریم نے انسان کو شعور بخشا، معرفت الٰہی کی استعداد بخشی، حصول معرفت کا عظیم ترین ذریعہ نبوت کو بنایا، انبیاء کے فیض کو عام کیا اور پھر آقائے نامدار ﷺ کو مبعوث فرما کر اُسے مکمل کر دیا۔ نبوت مکمل ہوگئی، نبوت کی تکمیل ہوگئی۔ اب کسی نئے نبی کی ضرورت ہی باقی نہیں رہی تو آئے گا کیوں۔ اور در رحمت اتنا کھول دیا، ایسے وا کیا جو اسی کو زیبا ہے۔ اگر بندہ ساری عمر کفر شرک و بت پرستی کرتا رہا، ڈاکے کرتا رہا، بُرائی کرتا رہا، دم نکلنے سے پہلے کسی لمحے خلوص سے توبہ کر لے اور اس سب کو چھوڑ دے تو فرمایا میں سب معاف کر دوں گا۔ سو ہدایت کی شرط جو قرآن نے رکھی وہ انابت ہے یعنی تہ دل سے، دل کی گہرائی سے یہ آرزو کروٹ لے کہ اللہ مجھے معاف کر دے، مجھے ہدایت دے دے، مجھے نیکی پر چلنے کی توفیق دے دے۔

س: دوسرا سوال ہے تو حضرت باہو رحمۃ اللہ کے متعلق، انہی سے پوچھا جانا چاہیے۔ اس ہستی نے جو فرمایا اس کا معنی اسی سے پوچھا جانا چاہیے۔

ج: یہ اشارہ اس طرف ہے جو معیار صحابیت ہے کہ کسی کو ایمان نصیب ہوا اور ایمان کے ساتھ اس کی نگاہ وجود اطہر رسول اللہ ﷺ پر پڑ گئی، اس ایک نگاہ نے اُسے شرف صحابیت سے سرفراز کیا۔ اور اگر حضور ﷺ کی نگاہ اس پر پڑ گئی تو نور علیٰ نور ہوگیا۔ اگر کسی کی طرف حضور ﷺ کی نگاہ متوجہ نہیں ہوئی لیکن ایمان لانے کے بعد اس نے حضور ﷺ کی زیارت کر لی تو وہ صحابیؓ ہوگیا۔ صحابیت سے مراد تو ہے صحبت یافتہ لیکن اس کا جو شرعی مفہوم ہے وہ یہ ہے کہ حضور ﷺ کی محبت عالی پانے والے قرآن کے مثالی مسلمان ہیں۔ نبوت کے بعد ولایت ہے۔ اللہ کریم اپنا کرم فرماتا ہے اور اپنے خاص بندوں کو قلبی کیفیات عطا کرتا ہے۔ جو نیکی کی طرف ہوتے ہیں، اتباع شریعت کی طرف ہوتے ہیں، جہاں برکات نبوت کا نزول ہوتا ہے۔ ہم اولیاء اللہ کی بڑی قدر کرتے ہیں۔ ہماری اس سرزمین پر برصغیر میں بے شمار اولیاء اللہ کے مزارات ہیں اور کہیں 1300 سالہ عرس منایا جارہا ہے اور کہیں تین سو سالہ اور سات سو سالہ۔ صدیاں بیت گئیں لیکن لوگ عزت و احترام کرتے ہیں کیونکہ وہ ایک ولی ہے اور وہ بھی ہمارے خیال میں۔ ہمارے پاس سند نہیں ہے۔ ہم یہ سمجھتے ہیں یہ ولی اللہ ہے۔ یہ ہمارا فیصلہ ہے، اللہ کے نزدیک وہ کیا ہیں یہ اللہ جانے اور وہ بندہ جانے۔ ہوسکتا ہے ایک شخص کو ہم عام آدمی سمجھتے ہیں وہ پائے کا ولی اللہ ہو۔ ہمارے پاس تو کوئی سند نہیں ہے۔ دنیا کی جنتی

آبادی گزر چکی، جتنی آئندہ آئے گی اور جو موجود ہے اگر ساری ولایت سے مشرف ہوجائے، سارے اعلیٰ پائے کے ولی ہوجائیں اور سب کی ولایت جمع کی جائے تو صحابیؓ کی گردِ پا کو نہیں پہنچتے۔ شرف صحابیت اتنا بلند درجہ ہے کہ باقی ساری مخلوق میں جتنے اعلیٰ پائے کے محدثین، مفسرین، آئمہ دین، فقہائے دین، ولی اللہ، عالم ہیں سب ان کی خاک پا سے کمتر درجہ رکھتے ہیں۔ تو پھر ایک نگاہ میں صحابیؓ ہوجانا...... تو وہی فرماتے ہیں

مرشد دا دیدار ہے باہو
لکھ کروڑاں حجاں ہو

لاکھوں کروڑوں حجوں سے تو کوئی صحابی نہیں بن سکتا لیکن ایک نگاہ کی زیارت سے وہ صحابیؓ ہوگیا۔

وہ جو کسی نے کہا تھا ''من سی پارہ دل می فروشم'' میں دل کے ٹکڑے بیچتا ہوں ''بگفتا قیمتش'' اس نے کہا قیمت بتاؤ۔ ''گفتم نگاہے'' میں نے کہا ایک نظر کے بدلے دے دوں گا۔

من سی پارہ دل می فروشم
بگفتا قیمتش، گفتم نگاہے

'بگفتا کم ترش' اُس نے کہا بھئی کوئی مول تول کرو، کوئی گھٹاؤ بڑھاؤ، منہ مانگی قیمت کون دیتا ہے۔ 'بگفتا کم ترش' اس سے کم کرو۔ اس نے کہا ''گفتم کہ گاہے'' یار زندگی میں ایک نگاہ سہی۔ میں کب کہتا ہوں کہ روز کی نگاہ نصیب ہو، زندگی میں ایک نگاہ سہی۔ تو وہ ایک نگاہ اتنا کام کرجاتی ہے جو برسوں کی عبادت نہیں کرسکتی۔ عبادات سے ثواب مرتب ہوتا ہے اور نگاہ سے کیفیات ملتی ہیں۔ کیفیات از قسم ثمرات ہوتی ہیں، پھل ہوتا ہے۔ عبادت کا مقصد اس پر ثمرات کا حصول ہے، اس کے پھل کا حصول ہے اور اک نگاہ سے جو کیفیت نصیب ہوتی ہے...... دراصل یہ چیزیں سمجھانے سے سمجھ نہیں آتیں۔ واقعی کسی نے محبت کی ہو تو وہ سمجھ سکتا ہے۔

اور پھر محبت دنیا کے لئے نہ ہو، وصول حق کے لئے ہو اور پھر محبت اللہ کے لئے، اللہ کے اس بندے سے ہو جہاں سے کیفیات ملتی ہیں تو تب جا کر ایک حد تک سمجھ آتی ہے۔

محبت کو سمجھنا ہے تو ناصح خود محبت کر
کنارے سے کبھی اندازۂ طوفاں نہیں ہوتا

ان باتوں کو سمجھنے کے لئے خود محبت کرنا پڑتی ہے۔ جس کے دل میں وہ تڑپ، وہ طلب آجائے وہی ان باتوں کو، ان چیزوں کو سمجھ سکتا ہے۔ کہنے کو آپ کہتے ہیں، تشریحات کرتے ہیں، باتیں بتاتے ہیں، باتیں، باتیں! باتوں میں کیا رکھا ہے۔ باتیں ہوتی رہیں گی، کچھ پلے نہیں پڑے گا۔ ان چیزوں کو سمجھنے کے لئے جب اللہ کریم خود محبوب بن جاتے ہیں تو پھر جتنے وسائل و ذرائع وصال محبوب کے ہوتے ہیں وہ بھی محبوب ہوجاتے ہیں۔ اور مخلوق اور خالق کے درمیان بعثت عالی سے لے کر قیامت تک سب سے بڑا واسطہ آقائے نامدارﷺ ہیں۔ پھر حضورﷺ اور ہمارے درمیان کون واسطہ بنتا ہے۔ ہمارے اور رب العلمین کے درمیان واسطہ نبی کریمﷺ کی ذات ہے اور اس ذات کریم اور ہمارے درمیان کون واسطہ بنتا ہے؟ اور جو بنتا ہے وہ کتنا قیمتی ہوگا، اس سے کتنی محبت ہوگی، اُسے اک نگاہ دیکھنے کی کتنی تڑپ ہوگی۔ یہ چیزیں کرنے کی ہیں، کہنے کی نہیں ہیں۔ تو اہل اللہ اور صوفیاء جو ان پر واردات ہوتی رہتی ہیں اپنی ان کیفیات کا اظہار کرتے رہتے ہیں کبھی شعروں میں کبھی مضامین میں، باتوں میں۔ جو اس پر بیتتی ہے وہ اس کی حرکات و سکنات، اس کی باتوں سے عیاں ہوتی رہتی ہے۔ یہ قدرتی بات ہے۔ ایک آدمی مفلس ہوتا ہے تو اس کا بات کرنے کا انداز اور ہوجاتا ہے، وہی امیر ہوجاتا ہے تو اس کی باتوں کا انداز بدل جاتا ہے۔ یہاں عملی زندگی میں ہم روز دیکھتے ہیں کہ بندوں کے اٹھنے بیٹھنے کا انداز بدل جاتا ہے۔ کوئی اقتدار سے معزول ہوتا ہے تو اس کی باتیں اور طرح کی ہوجاتی ہیں۔ کوئی اقتدار میں آجاتا ہے تو اس کا انداز اور طرح سے ہوجاتا ہے۔ کسی کے

چہرے پر اداسی ہوتی ہے، کوئی خوامخواہ ہنس رہا ہوتا ہے۔ تو اہل اللہ پر یہ واردات ہوتی ہیں، کیفیات ہوتی ہیں الحمدللہ۔ میرا اپنا ذاتی تجربہ یہ ہے کہ ربع صدی حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق نصیب رہا الحمدللہ۔ شروع شروع کا زمانہ جو تھا وہ دو طرح سے مشکل تھا۔ ایک تو آج کل کی طرح ذرائع آمد و رفت نہیں تھے۔ مجھے یاد ہے میں ایک دفعہ والدین کے ساتھ 1943 میں لاہور گیا تھا۔ نور پور سے ہمیں بس ملی اس نے ہمیں چکوال چھوڑ دیا۔ چکوال سے پھر بس ملی اس نے عصر کے بعد جہلم اتارا۔ دن تو جہلم پہنچنے میں گزر گیا۔ تب ایسی کوئی بس نہیں ہوتی تھی جو جہلم سے لاہور جاتی۔ جہلم سے پہلے گجرات جاتی تھی پھر گجرات سے وزیر آباد، وزیر آباد سے گوجرانوالہ پھر گوجرانوالہ سے لاہور۔ تو والد محترم، اللہ اُن پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے نے فرمایا کہ اگر بس کے ذریعے جائیں تو ہمیں بس بدلنے کے لئے رات یہاں رہنا ہوگا پھر صبح اگلی بس ملے گی۔ پھر شاید ایک اور رات راستے میں آ جائے۔ رات کو عشاء کے وقت یہاں سے ٹرین جاتی ہے تو وقت ضائع کرنے کے بجائے ہم ٹرین پر جائیں گے۔ تو ہم ریلوے اسٹیشن پہنچ گئے۔ عشاء کے قریب وہاں سے گاڑی میں سوار ہو کر نکلے اور فجر کے بعد اس ٹرین نے ہمیں لاہور پہنچایا یعنی مسلسل سفر میں بھی صبح سے لے کر دوسری صبح تک چوبیس گھنٹے لگ گئے۔ آج تو دس گھنٹے میں بندہ لاہور ہو کر واپس آ جاتا ہے۔ میں نے بارہا تجربہ کیا ہے اس گیٹ سے نکل کر لاہور میں اپنے گھر کے گیٹ تک مجھے تین گھنٹے لگتے تھے۔ وہاں سے نکلتا تھا یہاں پہنچنے میں تین گھنٹے لگتے تھے۔ گویا چھ گھنٹے میں بندہ آ جا سکتا ہے، وسائل بدل گئے۔ تو شروع شروع میں جب حضرت جیؒ کی خدمت میں جاتے تھے، یہاں نور پور سے جو گاڑی ملتی تھی وہ منارہ چھوڑ دیتی۔ منارہ سے جو ملتی وہ پیل چھوڑ دیتی پھر پیل سے بس پکڑتے تو وہ تلہ گنگ چھوڑ دیتی۔ پھر تلہ گنگ سے جو بس پکڑتے وہ ڈنڈہ شاہ بلاول اتار دیتی۔ اور خوش قسمتی ہوتی اگر ہم صبح کے نکلے ہوئے عصر پر وہاں پہنچ جاتے۔ یہ اس بات پر منحصر ہوتا تھا کہ اگلی گاڑی ملتی جائے۔

کئی دفعہ ایسا ہوا کہ ہم تلہ گنگ پہنچے تو میانوالی جانے والی آخری بس نکل چکی ہوتی تھی۔ پھر وہاں پر مغرب ہو گئی، عشاء ہو گئی پھر رات کو ٹرک سامان لے کر جا رہا ہے تو اُن کی منت سماجت کرنی، کرایہ بھی دینا، اس میں بوریوں پر بیٹھ کر کہیں سحری کے قریب وہاں جا پہنچے اور کئی دفعہ ایسا ہوا کہ وہاں سے چل کر فجر کی نماز حضرت جیؒ کے ساتھ جا پڑھی۔

ایک مشکل conveyance کی تھی اور دوسری یہ تھی کہ ہمارے پاس کرائے کے پیسے بھی نہیں ہوتے تھے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب زائد از ضرورت پانچ روپے جمع ہو جاتے تو ہم کہتے کہ آنے جانے کا خرچہ ہو گیا اب چلیں۔ ان سب مشکلات کے باوجود اگر ایک ہفتہ گزر جاتا پھر دوسرا ہفتہ ہم سے برداشت نہیں ہوتا تھا۔ ضرور حضرتؒ کی خدمت میں جاتے۔ جس طرح کھانے کی بھوک لگتی ہے، جس طرح پانی کی پیاس لگتی ہے، ملاقات کا شوق اس سے زیادہ ہوتا تھا۔ اور کتنی دفعہ ہم جاتے، حضرتؒ سے ملاقات ہوتی، زیارت ہوتی، رات رہتے، کھانا کھاتے، صبح چائے پیتے، صبح کی نماز پڑھ کر نکل پڑتے۔ کتنی ملاقاتیں ایسی ہیں جس میں کوئی بات نہیں ہوئی۔ لیکن جب واپس آتے تھے تو ایسے ہوتا تھا جیسے بالکل پیٹ بھرا ہوا ہوتا ہے، پیاس بجھی ہوئی ہوتی ہے، دل ٹھنڈا ہوتا ہے۔ اور پھر پیاس بھڑک اٹھتی تھی۔ پھر دوڑتے تھے۔ تو اس کی ترجمانی میرے خیال میں حضرت سلطان باہو نے اپنے الفاظ میں کی ہے اور اس طلب، اس پیاس، اس کیفیت کو بیان کیا ہے۔ لیکن میرے بھائی یہ سب چیزیں کرنے کی ہیں، کہنے سے کیا ہوتا ہے۔ خلوص بھی ہو، طلب صادق بھی ہو تو پھر یہ چیزیں نصیب ہوتی ہیں۔ تو ویسے جیسے حضور اکرم ﷺ کا ارشاد عالی بخاری شریف میں ملتا ہے۔

هم قوم لا يشقىٰ جسيهم

عجیب لوگ ہیں، یہ ایسے لوگ ہیں جن کے پاس بیٹھنے والا بدبخت

نہیں رہتا۔ یہ الگ بات ہے کہ ان لوگوں کی زیارت ان لوگوں کی مجلس، ان لوگوں کی باتیں ہدایت کا نجات کا سبب بن جاتی ہیں۔ لیکن اگر کسی کو ایسے لوگوں سے محبت ہو، اللہ کی طلب ہو اور اللہ کی خاطر ہو تو بات بنتی ہے۔ نبی کریم ﷺ کے ساتھ مکی زندگی میں تو کوئی منافق نہیں تھا کیونکہ زندگی مشکلات سے عبارت تھی۔ مدینہ منورہ میں ریاست اسلامی وجود میں آئی اور حضور ﷺ کی ایک حیثیت امیر ریاست کی بھی تھی تو لوگ دنیوی مفاد کی خاطر بھی گھس آئے۔ بظاہر مسلمان ہو گئے لیکن دل میں یہ تھا کہ کوئی دنیاوی فائدہ اٹھائیں تو وہ منافق کہلائے۔ اہل اللہ کے ساتھ بھی جب جماعتیں بنتی ہیں تو بڑے کھرے کھرے لوگ آتے ہیں۔ جب پھیلتی ہیں، بڑی ہو جاتی ہیں تو پھر مفاد پرست بھی آ جاتے ہیں۔ وہ تلاش کرتے رہتے ہیں کہ کوئی امیر آدمی آیا ہوا ہے تو اس سے دوستی کر لی جائے۔ کوئی کسی محکمے کا افسر آیا ہوا ہے اس کی خدمت کی جائے، اسے لوٹا بھر کر دے دو، اُسے بستر بچھا دو، اُسے کھانا کھلا دو، دوستی ہو تو اس سے کوئی فائدہ اٹھائیں گے۔ ہر طرح کی مخلوق ہوتی ہے جو جیسا کرتا ہے ویسا ہی پھل پاتا ہے۔ یہ کیفیات اللہ کریم سمجھائیں تو تب سمجھ آتی ہے اور یہ حالت نصیب ہوتی ہے۔

جو محبت کو سمجھتا ہے تو ناصح خود محبت کر
کنارے سے کبھی اندازۂ طوفان نہیں ہوتا

کیفیات باتیں کرنے سے نہیں ہوتیں، وارد ہو جائیں تو سمجھ آ جاتی ہیں۔ پچھلے دنوں میں بیمار ہوا تو ڈاکٹر نے بڑے سخت سے ٹیکے لگائے بہت زیادہ درد کرتے تھے تو وہ مجھے حوصلہ دینے لگا کہ کوئی نہیں! اسے تھوڑی دیر ملیں گے تو یہ ٹھیک ہو جائے گا۔ میں نے کہا ڈاکٹر صاحب بات یہ ہے کہ جو ٹیکے مجھے لگائے ہیں۔ دو ایسے ٹیکے آپ کو لگاتے ہیں پھر سمجھ آئے گی کہ ملنے سے کتنی دیر میں ٹھیک ہوتے ہیں، اس سے درد کتنا ہوتا ہے۔ مجھے لگ رہے ہیں، میں برداشت کر رہا ہوں۔ آپ مجھے بچوں کی طرح نہ بہلائیں مجھے پتہ ہے جو کچھ مجھ پر بیت رہی ہے۔ آپ نے لگائے ہیں لگائیں۔ تو جو حالات خود پر بیتیں اُن کی سمجھ آتی ہے۔ اللہ کریم ہر دل کو یہ درد دے اور اس کے ثمرات عطا فرمائے۔

وآخر دعونا ان الحمد للہ رب العلمین۔

ضرورت کمپیوٹر آپریٹر

ہمارے ادارے کو فل ٹائم/ پارٹ ٹائم ایک ماہر کمپیوٹر آپریٹر کی ضرورت ہے، جس کو کمپوزنگ ان پیج، کورل ڈرا وغیرہ پر مکمل عبور حاصل ہو۔ تجربہ کے حساب سے معقول تنخواہ دی جائے گی۔

رابطہ: ماہنامہ المرشد، 17 اویسیہ سوسائٹی، نزد غازی چوک، کالج روڈ، ٹاؤن شپ، لاہور

فون: 0300-4781256, 042-35180381

توسیع مسجد دارالعرفان منارہ

آج سے 32 سال قبل جس مسجد کا سنگِ بنیاد حضرت مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ نے رکھا تھا آج وہ پوری دنیا کے لیے تصوف کا مرکز بن چکی ہے،
یہ وہی قافلہ ہے جسے اس کے میرِ کارواں نے نہایت مجاہدے سے شروع کیا اور یہ رواں دواں ہے توسیع کا سنگ بنیاد

حضرت امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی نے

جمعۃ المبارک بمطابق 25 مئی 2012 کو رکھا

مسجد دارالعرفان کے توسیعی منصوبے پر 39 ملین روپے لاگت آئے گی اور یہ 01 سال میں مکمل ہوگا
مسجد کے ہال میں بیک وقت 4500 نمازیوں کی گنجائش موجود ہوگی۔

اگر کوئی ساتھی اس مسجد میں اپنے ایک مصلیٰ کا ہدیہ (جو تقریباً 15 ہزار روپے پاکستانی) اندازہ کیا گیا ہے
جمع کروانا چاہے تو دارالعرفان مرکز یا ضلعی امراء سے رابطہ کر سکتا ہے

منجانب: مرکزی دفتر دارالعرفان منارہ تحصیل کلرکہار ضلع چکوال

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝۲۲

ترجمہ: اور باشبہ ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لیے آسان کر دیا تو کوئی ہے جو نصیحت حاصل کرے

اکرم التراجم

قدرت اللہ کمپنی کے تیار کردہ دیدہ زیب قرآن پاک

شیخ المکرم امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

کا تحریر کردہ آسان اور عام فہم زبان میں اردو ترجمہ

اب آپ ہماری ویب سائیٹ www.naqashbandiaowasia.com پر بھی پڑھ سکتے ہیں
شیخ المکرم کے تازہ ترین بیانات ہر جمعہ کی شام ہماری ویب سائیٹ www.oursheikh.org پر سن سکتے ہیں

منجانب: صاحبزادہ عبدالقدیر اعوان ایڈمنسٹریٹر دارالعرفان منارہ 0543-562200

قرآن و حدیث کی روشنی میں
زیتون کے فوائد

اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْھَا
مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَۃٍ اَلزُّجَاجَۃُ کَاَنَّھَا کَوْکَبٌ دُرِّیٌّ
یُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ زَیْتُوْنَۃٍ لَّا شَرْقِیَّۃٍ وَّلَا غَرْبِیَّۃٍ یَّکَادُ
زَیْتُھَا یُضِیْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْہُ نَارٌ نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ یَھْدِی اللّٰہُ
لِنُوْرِہٖ مَنْ یَّشَآءُ وَیَضْرِبُ اللّٰہُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ
عَلِیْمٌ (النور: ۳۵)

اللہ آسمان اور زمین کا نور ہے۔ اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق ہے اس میں ایک چراغ ہے۔ وہ چراغ ایک (شیشہ کی) قندیل میں ہے اور وہ قندیل (ایسی شفاف ہے) گویا موتی کا سا چمکتا ہوا ستارہ ہو۔ اس میں ایک مبارک درخت کا تیل جلایا جاتا ہے (یعنی) زیتون کہ نہ مشرق کی جانب ہے اور نہ مغرب کی، قریب ہے (ایسا لگتا ہے) کہ اس کا تیل اگر اس کو آگ نہ بھی لگی تو (خود بخود) جل اٹھے گا اور اگر آگ دکھا دی گئی تو) نور علی نور (روشنی پر روشنی ہو جائے گی)۔ اللہ اپنے نور سے جس کو چاہتے ہیں سیدھی راہ دکھاتے ہیں اور اللہ لوگوں کے لیے مثالیں بیان فرماتے ہیں اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والے ہیں۔

زیتون کا درخت

تین میٹر کے قریب اونچا ہوتا ہے۔ چمکدار پتوں کے علاوہ اس میں بیر کی شکل کا ایک پھل لگتا ہے جس کا رنگ اودا اور جامنی، ذائقہ کسیلا ہوتا ہے۔ بنیادی طور پر یہ درخت ایشیائے کوچک، فلسطین، بحیرہ روم کے خطہ۔ یونان، پرتگال، سپین، ترکی، اٹلی، شمالی افریقہ، الجزائر، تیونس اور امریکہ میں کیلی فورنیا، میکسیکو، پیرو اور آسٹریلیا کے جنوبی علاقوں میں پایا جاتا ہے۔

زیتون کا تیل

مفسرین کی تحقیقات کے مطابق زیتون کا درخت تاریخ کا قدیم ترین پودا ہے۔ طوفانِ نوح کے اختتام پر پانی اترنے کے بعد زمین پر سب سے پہلی چیز جو نمایاں ہوئی وہ زیتون کا درخت تھا۔

زیتون کا تیل بطور صنعت اور برآمد کے فرانس، اٹلی، سپین، ترکی، الجزائر، تیونس اور یونان سے آتا ہے۔ حال ہی میں بلوچستان سے بھی زیتون کا تیل ڈبوں میں برآمد کیا گیا ہے۔

مصر قدیم میں بھی زیتون کا تیل کھانے، پکانے بلکہ اشیاء کو محفوظ کرنے، جسم پر لگانے اور علاج میں استعمال ہوتا تھا۔ مصری مقابر سے برآمد ہونے والی اشیاء میں زیتون کے تیل سے بھرے ہوئے برتن بھی شامل تھے۔ توریت میں زیتون کا تیل ملنے کا ذکر ملتا ہے۔

زیتون کا پھل

یہ غذائیت سے بھرپور ہے مگر اپنے ذائقہ کی وجہ سے پھل کی صورت میں زیادہ مقبول نہیں۔ اس کے باوجود مشرقِ وسطیٰ، اٹلی، یونان اور ترکی میں بہت لوگ یہ پھل خالص صورت میں اور یورپ میں اس کے اچار بڑے شوق سے کھاتے ہیں۔ یونان سے زیتون کا اچار سرکہ میں آتا ہے اور مغربی ممالک میں بڑی مقبولیت رکھتا ہے۔ سعودی عرب کے پہلے فرمانروا ملک عبدالعزیز ابن سعود (مغفور) کا ناشتہ کھجور، اونٹنی کا

پنیر، تازہ زیتون اور اونٹنی کے دودھ پر مشتمل ہوتا تھا۔ اس لیے وہ جب تک زندہ رہے اپنی توانائی میں ضرب المثل تھے۔ اس کی زیادہ تر شہرت پھل سے برآمد ہونے والے تیل سے ہے۔ ڈبوں میں فروخت ہونے والی سارڈین اور دوسری مچھلیاں محفوظ رکھنے کے لیے زیتون کے تیل میں رکھ کر پیک ہوتی ہیں۔ اس تیل کی منفرد خصوصیت یہ ہے کہ بوتل خواہ کھلی بھی رہے اس میں چیونٹیاں نہیں آتیں اور جب اسے دیئے میں جلایا جائے تو یہ دوسرے تیلوں کی طرح دھواں نہیں دیتا۔

قرآن مجید نے زیتون اور اس کے تیل کا بار بار ذکر کر کے اسے شہرت دوام عطا کر دی ہے۔

وَالنَّخلَ وَ الزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَ الزَّيْتُوْنَ وَ الرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّ غَيْرَ مُتَشَابِهٍ ط كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ...

(الانعام: ۱۴۱)

(...... اور کھجوریں اور مختلف قسم کے کھانے کی چیزیں کھیتوں میں اور زیتون اور انار جو (بعض اوصاف میں) ملتے جلتے ہیں اور (بعض میں) نہیں ملتے۔ جب پھل لائیں تو ان کے پھل کھاؤ......

وَّ جَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّ الزَّيْتُوْنَ وَ الرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّ غَيْرَ مُتَشَابِهٍ اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَ يَنْعِهٖ اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ٥ (الانعام: ۹۹)

...... اور انگوروں کے باغ اور زیتون اور انار کے (درخت پیدا فرمائے) جو ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں اور نہیں بھی ملتے جلتے ذرا اس کے (ہر ایک) پھل تو دیکھیں جب وہ پھل لاتا ہے اور اس کے پکنے کو، ان میں ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں بہت سی نشانیاں ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ لَكُمْ فِيْهَا فَوَاكِهُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ٥ وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ ٥

(المومنون ۱۹۔۲۰)

پھر ہم نے اس میں تمہارے لیے کھجوروں اور انگوروں کے باغات بنائے ان میں تمہارے لیے بکثرت پھل بھی ہیں اور تم ان میں سے کھاتے بھی ہو اور (اسی پانی سے) ایک (زیتون کا) درخت بھی (ہم نے پیدا فرمایا) جو طور سینا میں (بکثرت) پیدا ہوتا ہے۔ جو اگتا ہے تیل لیے ہوئے اور کھانے والوں کے لیے سالن لیے ہوئے۔

(المومنون:۱۹۔۲۰)

وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ٥ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ٥ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ٥ (التین: ۱۔۳)

قسم ہے انجیر کی اور زیتون کی۔ اور طور سینین کی۔ اور اس امن والے شہر کی۔

ان آیات میں غور طلب نکات یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زیتون کے درخت کو ایک مبارک یعنی برکت والا درخت قرار دیا۔ اس کے پھل کو اہمیت عطا فرمائی۔ پھر لوگوں کو متوجہ کیا کہ زیتون، کھجور، انار اور انگور میں فوائد کے خزانے بھرے پڑے ہیں۔ بشرطیکہ تم ان کو سمجھنے کی صلاحیت پیدا کرو۔ سورۃ الانعام کی دونوں آیات غور وفکر کے لئے تازیانہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ بات اس سے شروع ہوئی کہ آسمان سے پانی برستا ہے جس میں پینے کے ساتھ ساتھ جانوروں اور زراعت کے لئے اہمیت ہے اور اہمیت کے اسی تسلسل میں زیتون کا ذکر آیا اور اس کے ساتھ ہی دوسرے پھل بھی مذکور ہوئے۔ کھجور، انگور اور انار لذیذ میوے ہیں۔ اگر کوئی ان کی جانب متوجہ نہ بھی کروائے تو بھی لوگ ان کو خوشی خوشی کھاتے ہیں۔ مگر زیتون کا ذائقہ ایسا نہیں کہ کوئی اس سے رغبت

محسوس کرے۔ تو ظاہر ہے کہ اس کی جانب بار بار متوجہ کروانے کی ضرورت اور اس کے فوائد کے بارے میں روشنی دکھانے کا مقصد یہ ہے کہ یہ پھل ذائقہ کے لئے نہیں بلکہ فوائد کے لئے ہے۔ اس بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایک جگہ اس کی نشان دہی کر کے فرمایا کہ یہ ستر بیماریوں کی دوا ہے۔ اب اس میں دلچسپی لے کر فائدہ اٹھانا ہمارا کام ہے۔

ارشادات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

قرآن مجید نے زیتون کا بار بار ذکر فرمایا۔ جہاں کسی اچھی فصل کا تذکرہ ہوا زیتون ضرور شامل ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے جب اپنے نور کو مثال دے کر واضح کیا تو مثال زیتون کا تیل، اسی کی روشنی اور اس کی خوشنمائی پر منتج ہوئی۔ پھر فرمایا یہ ایک مبارک درخت ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اس درخت کو اتنی اہمیت عطا فرمائی ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اہمیت کے اسباب پر بھی یقیناً روشنی ڈالی ہے۔

حضرت اسید الانصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

کلوا الذیت وادھنوابہ فانہ من شجرۃ مبارکۃ. (ترمذی، ابن ماجہ، دارمی)

(زیتون کے تیل کو کھاؤ اور اس سے جسم کی مالش کرو کہ یہ ایک مبارک درخت سے ہے)۔

یہی روایت حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے اور مستدرک الحاکم میں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی منقول ہے۔

حضرت علقمہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

علیکم بزیت الزیتون، کلوہ واد ھنوابہ ، فانہ تنفع من البو اسیر۔ (ابن الجوزی)

(تمہارے لئے زیتون کا تیل موجود ہے، اسے کھاؤ اور بدن پر مالش کرو کیونکہ بواسیر میں فائدہ دیتا ہے)۔

علیکم بھذہ الشجرۃ المبارکۃ زیت الزیتون فتد اوو ابہ فانہ مصحۃ من الباسور. (ابن السنی۔ ابونعیم)

(تمہارے پاس اس مبارک درخت سے زیتون کا تیل موجود ہے۔ اس سے علاج کرو کہ یہ باسور کو ٹھیک کر دیتا ہے)۔

یہ روایت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے جبکہ ذہبی نے بالائی روایت ان کے برادر مکرم علقمہ سے بیان کی اور اس میں لفظ بواسیر ہے جبکہ یہاں باسور مذکور ہے۔ باسور سے مراد مقعد کا زخم ہے۔

کنز العمال نے سند عمر اور ابراہیم بن ابی ثابت کی حدیث سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں۔ جبکہ بیہقی اور ابن ماجہ نے اسے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔

ایتد مو ا بالزیت و ادھنو ا بہ فانہ من شجرۃ مبارکۃ

(زیتون کے تیل سے علاج کرو۔ اسے کھاؤ اور لگاؤ کیونکہ یہ ایک مبارک درخت سے ہے)۔

☆☆☆☆☆☆

خالد بن سعد بن روایت کرتے ہیں کہ میں غالب بن ابجر کے ہمراہ مدینہ آیا۔ راستے میں بیمار ہوگئے۔ ان کی عیادت کو ابن ابی عتیق آئے اور بتایا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کلونجی میں شفا بتائی ہے۔ اس لئے کلونجی کے چند دانے کوٹ کر

زیتون کے تیل میں ملا کر ناک کی دونوں اطراف میں ٹپکایا جائے۔ ہم نے ایسا کیا تو غالب بن ابجر شفایاب ہو گئے)۔(ابن ماجہ، بخاری)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

کلوا الزیت و ادھنوا بہ فان فیہ شفاء من سبعین داء منھا الجذام. (ابو نعیم).

(زیتون کا تیل کھاؤ اور اسے لگاؤ کیونکہ اس میں ستر بیماریوں سے شفا ہے جن میں سے ایک کوڑھ بھی ہے)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان نتداوی ذات الجنب با لقسط البحری و الزیت. (ترمذی. مسند احمد، ابن ماجۃ)

(ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ ہم ذات الجنب (پلورسی) کا علاج قسط البحری (قسط شیریں) اور زیتوں کے تیل سے کریں)۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ینعت الزیت والورس من ذات الجنب. (ترمذی، مسند احمد، ابن ماجہ).

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذات الجنب کے علاج میں ورس اور زیتون کے تیل کی افادیت کی تعریف کرتے تھے)۔

ذات الجنب کو پرانے اطباء نے نمونیہ قرار دیا ہے۔ جبکہ نوعیت کے لحاظ سے یہ پلورسی ہے۔ اس کی تشریح میں امام عیسیٰ ترمذی کہتے ہیں۔ **قال اصحاب العلم ان ذات الجنب السل** ۔یعنی اصحاب علم بیان کرتے ہیں کہ ذات الجنب دراصل تپ دق ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بیسویں صدی کی تحقیقات نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ پلورسی کا عمومی سبب تپ دق ہوتا ہے یا اسے دق کی ایک قسم قرار دے سکتے ہیں۔

محمد احمد ذہبی رحمہ اللہ نے سند روایت کے بغیر ابن الجوزی سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

من ادھن بزیت لم یقربہ شیطان

(جس نے زیتون کے تیل کی مالش کی، شیطان اس کے قریب نہ جائے گا)۔

سرکاری معیار کے مطابق یہ تازہ زیتوں سے نکالا ہوا تیل ہے جس کا رنگ موتیا یا سبزی مائل پیلا ہونا چاہیے۔ اس میں کوئی خاص خوشبو نہ ہو اور عام حالات میں سیال ہو۔ ۲۰ ڈگری درجہ حرات پر ایک ملی میٹر کا وزن ۹۱۳ء۰ گرام کے قریب ہو (یعنی کہ پانی سے ہلکا) ۴۰ ڈگری کے درجہ حرارت پر یہ جمنے لگتا ہے۔ ہیئت کی یہ تبدیلی اس کی فعالیت پر اثر انداز نہیں ہوتی۔

زیتون کا تیل پکے ہوئے پھل سے نکالا جاتا ہے۔ کچے یا گلے ہوئے پھل میں تیل کی مقدار کم ہوتی ہے۔ اگرچہ اس کی بیجوں میں بھی تیل پایا جاتا ہے مگر ان کا معیار عمدہ نہیں ہوتا۔ تیل نکالنے سے پہلے پھل کو صاف کر کے اس کا چھلکا اتار لینا ضروری ہے۔ پھل کو براہ راست مشین کے کولھو میں ڈال کر تیل کی جو قسم برآمد ہوتی ہے اسے سب سے عمدہ تیل قرار دیا جاتا ہے اور اسے VIRGIN OIL کہتے ہیں۔ (جاری ہے)

کی تو نے محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں
(علامہ اقبالؒ)

Commandments, still Allah-swt stated that they repent and do Astaghfar.
This is because repentance itself is a part of worship. And worships are performed by the Prophets-alaihem us salaam, their Companions-rau, the noble scholars and Aulia Allah. وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ 'O My-swt Beloved(saws)! Greet the believers'. It is to be mentioned that no name is mentioned in this verse about who has to be greeted; rather, some conditions are stated. Anyone, who conforms to these conditions and pre-requisites, has been greeted by Allah-swt. The decisions of the Day of Judgment are another matter, but a plan for real success has been presented here. Now everyone is asked to search for one's own self and decide about his distance from the success. Does he repent in front of Allah-swt? Does he worship Allah-swt? Does he praise Allah-swt and remembers Him-swt? Does he fast? Does he bow in front of Allah-swt? Does he prostrate in front of Allah-swt? Does he preaches the righteousness and eliminates the evil? And does he guards and protects the Commandments of Allah-swt and does he act upon the Commandments of Allah-swt? If it is so, then he is greeted by Allah-swt and his fate and success is decided here in this world. This greeting means the confirmation of Jannah. Such a person is forgiven and saved from the Hell.
However, my brothers, we have to see that whether we personally are fulfilling these conditions. The time which has passed could not be reversed. But the few moments of life that we still have on hand should be utilised.

So the love of the Prophet(saws) demands all this. The government too has tried to participate in the mess by announcing a day off for the love of the Holy Prophet(saws). It is very difficult for us to comprehend completely what sort of loss the whole country faces due to a single day of closure. Billions of rupees are wasted when buisnesses around the country are put on a stop for a whole day. Previously they have already announced holiday on Saturday like the other nations of the world. What they could have done, is to call for an all parties conference and gather the political power of the whole country on this matter because their platform is politics. They could have called all the religious political parties and the non-religious political parties and to present a resolution to the secretary general of the United Nations. They should have asked that why is it being done repeatedly and an international law should have been passed in which to state that insulting any Prophet-alaihe salaam will be punished through court, no matter whoever that is. In the U.S. if anyone makes a movie insulting their earlier presidents for instance George Washington or Abraham Lincoln; would that be tolerable for them?.

To be continued

may get his answer, because the majority is present online for zikr in evening.

This is also a great blessing of Allah-swt, that we're using the internet for such a noble purpose. This proves that the nature of technology itself is not evil; rather the use of technology and other things might be right or wrong. Nobody can eliminate evil by breaking computers or television and that is not a positive attitude. A gun if given to a soldier or to a mujahid would be for the righteousness but in the hands of a robber it is evil. Therefore, it would not be a good thing to eliminate the guns; rather the use of a gun would make it right or wrong. Similarly, watching movies the whole day isn't a better thing, instead televising the teachings of Quran, Hadith, Tajweed and educating the matters of Deen to people would be a noble act. For example, in our instance, the use of computer has been put to a positive use and we upload the speeches to internet which can be listened all over the world.

The first thing that Allah-swt described in qualities of the believers is that they repent. Somebody could have asked that the believers might have committed sins which is why they must repent. Allah-swt has already answered that question, by stating that, الْعَابِدُونَ 'they are the true worshippers'. The meaning of worship is obedience. Every action of our life from earning a livelihood to spending, and making friends to enmities if done according to Allah-swt's orders is obedience. The Holy Prophet(saws) has said that, 'a believer earning a meal for his children is also a kind of worship', somebody asked 'O Messenger(saws) of Allah-swt! earning livelihood for children is an obligation, how does it become worship?' The Holy Prophet(saws) replied, 'indeed acting upon the obligations is worship'. Worship is actually to act upon the commandments of Allah-swt.

Therefore, it was stated that My-swt bondmen always worship, they try their best to obey My-swt Commandments, speak the truth, eat the Halal and do the righteous deeds and beside that, they always repent.الْحَامِدُونَ they always praise Me-swt, they recite My-swt Greatness, My-swt Omnipotence and they do My-swt zikr. السَّائِحُونَ they fast for attaining My-swt Pleasure and Nearness. They fast besides the fasts of Ramadhan. Those who perform supplementary worships, never lose the obligations. الرَّاكِعُونَ they bow in My-swt Court, and never give up their salat. They never miss the fasts of Ramadhan and the obligatory salat. They fast and they bow in My-swt Court.السَّاجِدُونَ they prostrate in My-swt Court. And they never stop at this. الآمِرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّاهُونَ عَنِ الْمُنكَرِ they preach and propagate the righteousness and eliminate the evil. وَالْحَافِظُونَ لِحُدُودِ اللهِ and they guard the boundaries laid by Allah-swt. They not only obey the Commandments of Allah-swt, rather they guard it as well. They develop a society where the Commandments of Allah-swt are obeyed. Despite all these acts that the believers perform for example, Allah-swt's remembrance, fasting, bowing and prostrating, propagating the truth and eliminating the evil and guarding the sanctity of Allah-swt's

Repentance

Translated Speech of His Eminence Hazrat Ameer Muhammad Akram Awan
Shaikh Silsilah Naqshbandiah Owaisiah
Dar-ul-Irfan, Munarah

Dated: September 21st, 2012

The Holy Prophet(saws) was crying and his(saws) tears were falling into his(saws) beard and from the beard the drops started to wet his(saws) chest.Then the Holy Prophet(saws) went into rukoo and I thought that he(saws) would spend the rest of the night in rukoo and that was similarly followed by sajdah. When the Holy Prophet(saws) finished the salat, his(saws) ankles were swollen. After the salat I asked 'O Messenger(saws) of Allah-swt! Why are you taking so many pains in the worship when the whole world hopes to be blessed due to your reference on the Day of Judgment? The Holy Prophet(saws) said, 'O Ayesha! If Allah-swt has blessed me with such a privilege, shouldn't I be a thankful bondman to Allah-swt for all this? If such high is my privilege then I am more indebted to His-swt blessings than anyone else."

Therefore, the Astaghfar offered by the Holy Prophet(saws) is for the obligation of being thankful to Allah-swt. Some scholars have deducted that since the spiritual stations of the Holy Prophet(saws) increased in every moment, he(saws) might have offered Astaghfar by observing the initial stations. However, according to my opinion, this deduction is their own personal thought and not based on facts, because every station from the first one to the highest, were being blessed to him(saws) by Allah-swt. The real fact is that offering Astaghfar is a part of offering thanks to Allah-swt and a kind of worship. Allah-swt has numerous blessings upon all of us, and we cannot simply thank Him-swt by our worship and righteousness, therefore, the limitations that are left in our actions are supplemented by offering Astaghfar, and here it means that, 'O Allah-swt! Since we are very weak and incomplete, similarly our actions are weak as well, therefore, bless us with your Mercy and accept our incomplete actions in Your-swt Court. We can only act to our own limits but we request your Mercy and Grace to bless us with Your-swt help'. This is a very delicate matter. Since this whole realm is for the Holy Prophet(saws), and still he(saws) is offering Astaghfar, therefore, to think of our own actions, have we ever pondered over our worthlessness and have we offered Astaghfar in that regard?

It has been stated in these verses that My-swt bondmen are those who obey Me-swt and the Holy Prophet(saws), eat the Halal livelihood, speak the truth, stay on the righteousness and still they offer Astaghfar. التَّائِبُون meaning, that they always do Astaghfar. I hope this speech will be streamed on paltalk in the evening and the fellow who asked the question

perplexities concerning Sulook from peoples' minds. Therefore, due to the almost daily increase of Ahbab in the Silsilah, it became necessary that the teachings of Hazrat Ji rua be reached out in a written form to people in general and the seekers in particular. In 1963, when Hafiz Abdur Razzaq rua was presented for his Spiritual Pledge at the Court of the Holy Prophet saws, he was granted a pen. On this occasion, Hazrat Ji rua remarked, "It seems you will be assigned some written work."

After some time Hazrat Ji rua informed the Ahbab that the Masha'ikh (Hazrat Sultan ul Arifeen rua) had instructed that a book be written about Sulook, which should prove to be an authority on the subject. Hazrat Ji rua told Hafiz Sahib rua, "The order has been given by the Masha'ikh, now start writing".

After this instruction, Hazrat Ji rua started collecting material and articles with reference to Sulook, which he noted in a special register. The collection of this irrefutable proof on Sulook from the Quran and Hadees and the writings of preceding saints and scholars, was an important requirement of our present time.In the past, Sulook was considered a means of acquiring Ehsan, which, in the light of the Hadees-e Jibreel is the quintessence of Deen. Every person, besides being connected to a particular Islamic School of Thought, also had a connection with some Silsilah of Tasawwuf. This is the reason that, in the writings of the pious ancestors, while there is a mention of Tasawwuf education, neither its admissibility has been discussed nor have any proofs been collected in its favour. If ever, during philosophical discussions, Sulook was negated, instead of indulging in literary debate, the answer was provided by its practical demonstration. However, in the present time when Sulook has been rejected outright, Hazrat Ji rua proved it, by its practice, as well as through the words of the Holy Quran and Hadees, in order to remove any present day perplexities and ambiguities.

Hafiz Abdur Razzaq rua was given the responsibility of compiling the book titled 'Dalael us Sulook'. Hazrat Ji rua gave him the material and selected the chapter headings himself. After placing the articles in order, Hafiz Sahib rua would read them out to Hazrat Ji rua who would make additions or changes. At different places Hafiz Sahib rua also added footnotes, which were included in the book, after Hazrat Ji rua's approval.In those days when Hafiz Sahib rua was proof-reading Dalael us Sulook, he was posted to the Degree College Jhelum. A new lecturer, Sayyed Bunyad Husain Shah, was transferred to the college; he had a very modern outlook and was fond of the cinema. Due to differences in their temperament, he kept aloof from Hafiz Sahib rua. For some reason Hafiz Sahib rua had to spend a night at his house and, as per habit, did Zikr after Tahajjad.

To be continued

He had no idea about Islam and much less about living as a Muslim. Seeing his condition, Hazrat Ji rua, would give him some sips from his own tea and some of his food. The effect was that after two days he went and brought his bedding and transferred to the Masjid. Hazrat Ji rua got some sweetmeats for him and arranged for his religious training under Qari Yar Muhammad. Later he visited Hazrat Ji rua in Chakrala many times and reached the station of Aqrabiyat. He went along with his college team to Swat, but while doing Wuzu fell into the river and attained Shahadat. When Hazrat Ji rua was informed, he said, 'He is alright where ever he is. Do not try to look for him.'

And that is what happened! Every effort was made to locate his body but it was in vain. He lived his full span of albeit a short life, but coming under Hazrat Ji rua's influence made him attain Union

CHAPTER 19

DALAEL US SULOOK

1963 can rightly be called the year of the spread of the Silsilah. A great number of Ahbab had started gathering for the twice daily collective Zikr in Dhulli, Chakwal, Morha Kor Chashm and Dalwal, and whoever started Zikr Allah, the course of his life would suddenly change. When such acclaimed scholars like Maulvi Ikram ul Haq, Hafiz Abdur Razzaq rua and Maulvi Sulaiman were seen being numbered among the devotees of Hazrat Ji rua, it aroused great curiosity among the public. People, including the Ulama wanted to learn about Tasawwuf. Among the curious were also some, whose knowledge had taught them only one lesson: to label everything beyond their comprehension as Bidah (additions to the religion).

Hazrat Ji rua would answer all questions, whether intellectual or ignorant, supplying with Allah swt at a young age.proof from the Quran and Hadees to satisfy every questioner, who, if he possessed the slightest thirst, would not leave un-satiated. The literary sitting was followed by a session of Zikr, in which often the fortunate ones would witness for themselves, the blessing of Zikr in the form of Divine Lights and Refulgence. Very often it happened that people who came as doubters and dissenters were converted into firm believers by the end of the Zikr due to Tawajjuh of Hazrat Ji rua, and they became a source of inviting others to the Silsilah. We have previously mentioned the account of one such person, Zahoor Shah.

Although the Zakireen were an effective means of attracting others into their circle, not every Zakir had the capability to remove ambiguities and

Hayat-e-Javidan Chapter 18

A Life Eternal (Translation)

HAZRAT JI's-rua SPIRITUAL POWERS

continued From Previous Month

On asking, he was told that this was because his waistcoat was unbuttoned. This incident was mentioned before Hazrat Ji rua who reminded him that according to the Holy Hadith there is an instruction that the shirt should be buttoned up to the collar, even if one has to use thorns to do so. Thereafter, Hazrat Ji rua would advise all Ahbab to button their waistcoats for Salah because clothes must be worn according to their proper function.

During his tours, Hazrat Ji rua ensured that he ate halal and clean food. Included in his tour was a Zikr session for women at the home of an army Subedar. After Zikr, tea was served but Hazrat Ji rua did not drink it and instead ate a biscuit. Seeing this, none of the Ahbab drank the tea. Later, on inquiry by Qari Yar Muhammad it was discovered that the milk intended for the tea had turned sour while heating, and in the haste, milk from the nearby soldiers mess (Langar) had been used.

During the 1968 tour, a person originally from Dhalwal, district Chakwal, Inayat Ullah invited Hazrat Ji rua to a meal at his home. Hazrat Ji rua asked him, 'What work do you do?', when he replied that he worked as a bank manager, he rua did not accept his invitation and told him, 'Leave this job, I will pray for you and Allah swt will give you knowledge of your religion'.

The next year when Hazrat Ji rua revisited Quetta, he was again invited by this person. Hazrat Ji rua again asked him the same question but on finding that he was still employed at the bank, Hazrat Ji rua repeated his reply very sternly, 'Leave this job I will pray for you, Allah swt will grant you knowledge of your Deen'. These words had such a profound effect on him that he remained with Hazrat Ji rua throughout his tour, started to do Zikr and grew his beard following the Sunnah of the Holy Prophet saws. After Hazrat Ji rua left, he gave up his job and went to Germany via Iran. There he found a very good job and also studied medicine. Allah swt blessed him with wealth and when he finally returned to Pakistan he set up three religious schools, one for women and two for men. The former bank manager is now the administrator of the schools and is now known as Dr. Inayat Ullah, due to the blessings of gaining knowledge about his religion, in answer to Hazrat Ji rua's prayers.

In the same tour of Hazrat Ji rua, a youth of 18 years from Dhalwal, Raja Manzoor Ahmad was presented to him. He lived with his uncle but for everything else he was dependent upon a Christian family.

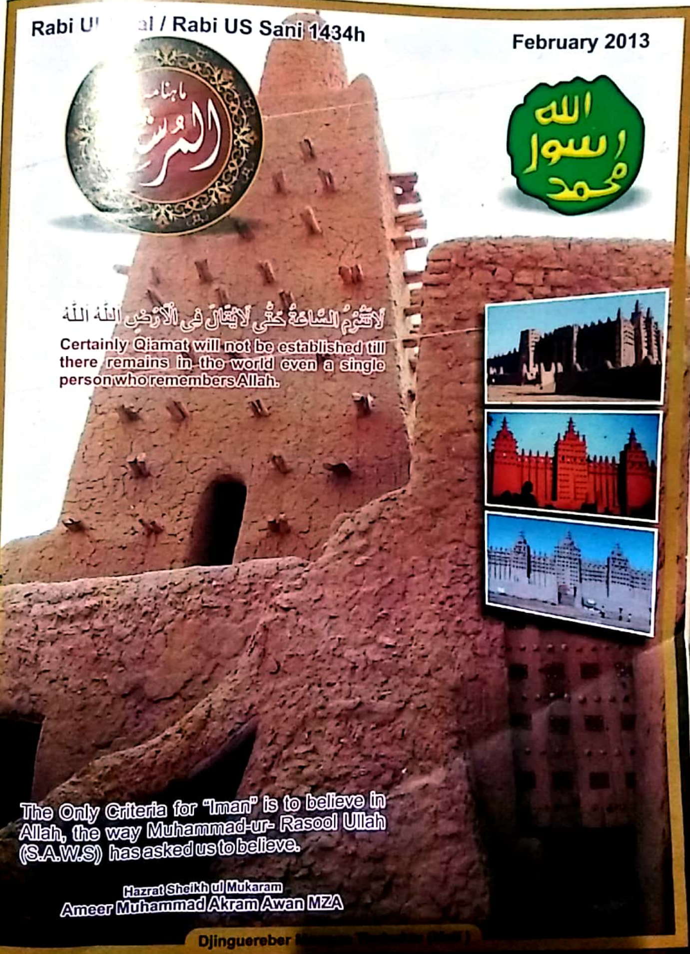

17-AWASIA SOCIETY-COLLEGE ROAD, TOWN SHIP LAHORE

www.QuranTafseer.net

الحمدللہ کوشش کی گئی ہے کہ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے حوالے سے تمام کتابیں اور آڈیو وڈیو بیانات کو آپکی سہولت کے لیے ایک جگہ پر اکٹھا کردیا جائے اور تازہ جمعہ بیانات بھی آپ فوراسن سکیں۔ویب سائیٹ کی اینڈرائیڈ ایپلیکیشن بھی موجود ہے

آپ اپنے اینڈرائیڈ موبائل میں پلے سٹور سرچ میں جا کر نیچے دیئے گئے الفاظ لکھ کر آسانی سے یہ ایپلیکیشن سرچ کر کے انسٹال کرسکتے ہیں۔

اس ویب سائیٹ اور ایپلیکیشن سے آپ یہ سب کچھ حاصل کرسکتے ہیں۔

1- مفسّر، مترجّم ومفکّرِ قرآن حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمتہ اللہ علیہ کی آڈیو، وڈیو اور تحریری تینوں طرح کی مکمل 30 پارہ اردو تفسیر اور مکمل 30 پارہ پنجابی تفسیر آڈیو وڈیو۔ 2- مشکوۃ شریف احادیث کی تشریح آسان ترین انداز میں آڈیو اور وڈیو بیانات۔ 3- اگر آپ کو قرآن ناظرہ پڑھنا نہی آتا یا آپ نے قرآن پڑھنا بہت پہلے سیکھا مگر اب صحیح تلفظ سے نہی پڑھ سکتے تو اب آپ دس دس منٹ کی کچھ وڈیوز دیکھ کر ناظرہ قرآن روانی سے پڑھنا سیکھ سکتے ہیں۔ 4- اس زمانہ کے سب سے مشہور 4 قاری صاحبان قاری مشری صاحب قاری السدیس صاحب قاری عبد الباسط صاحب اور قاری عادل الکلبانی صاحب کی آواز میں پورے قرآن کی آڈیوز سن سکتے ہیں۔ 5- حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمتہ اللہ علیہ کا نعتیہ کلام 6- ذکر کرنے کا ایسا طریقہ جس سے آپ کا دل اور جسم کا ہر ذرہ اللہ کا ذکر کرنے لگے مکمل تفصیلات موجود۔ 7- پچھلے دس سال کے سالانہ اور ماہانہ روحانی اجتماعات آڈیو وڈیو بیانات کا خزانہ 8- اسلامی سوال جواب ٹی وی پروگرام المرشد کی تمام آڈیوز وڈیوز۔ 9- سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کی تمام کتابیں اور 1981 سے آج تک کے تقریبا تمام المرشد میگزین پی-ڈی-ایف میں ڈاؤن لوڈ کے لیے موجود۔ جلسوں، جمعہ بیان، سالانہ، ماہانہ اجتماعات کے بیانات کی تازہ آڈیوز فورا ایپلیکیشن اور ویب سائیٹ پر آپ سن سکتے ہیں۔ آئی فون، ونڈوز موبائل اور کمپیوٹر والے حضرات یہ سب کچھ اوپر دی گئی ویب سائیٹ سے حاصل کرسکتے ہیں۔

آپ کی سہولت کے لیے سلسلہ کی کوئی بھی کتاب یا کسی بھی پارہ کی تفسیر پی-ڈی-ایف میں آپ کو اپنے وٹس ایپ پر چاہیے ہو تو اس نمبر پر کتاب کا نام یا پارہ نمبر بتا کر اپنے وٹس ایپ سے میسج کر کے حاصل کرسکتے ہیں۔ 03235205255